تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

لاہور

ندائے خلافت

www.tanzeem.org

39

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

مسلسل اشاعت کا
30 واں سال

12 تا 18 ربیع الاوّل 1443ھ / 19 تا 25 اکتوبر 2021ء

اسوۂ رسول ﷺ کامیابی کا ذریعہ

آج غلبۂ اسلام کے لیے لوگوں کے جذبے میں کمی نہیں ہے، لیکن صحیح لائحہ عمل پیش نظر نہ ہونے کے باعث تحریکیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی ہیں اور ان کا حال بالفعل یہ ہو گیا ہے کہ ؎

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے!

اسلامی انقلاب کے لیے صحیح لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا جو صرف اُسوۂ رسول ﷺ میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ یعنی تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ کی شخصیت اور حیاتِ طیبہ میں ایک بہت عمدہ نمونہ موجود ہے۔ لیکن اس ''اسوۂ حسنہ'' سے استفادے کی تین شرائط ہیں، جو ساتھ ہی بیان فرما دی گئی ہیں: ﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝﴾ یعنی اس سے استفادہ وہی کر سکیں گے (1) جو اللہ سے ملاقات کے امیدوار ہیں، (2) جو یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور (3) جو کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہی لوگ اس اسوۂ حسنہ سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ جیسے قرآن ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' یعنی تمام نوعِ انسانی کے لیے ہدایت ہے، لیکن اس کی ہدایت سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکیں گے جن کے اندر تقویٰ موجود ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے آغاز ہی میں واضح کر دیا گیا کہ یہ ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

محسن انسانیت: رحمۃ للعالمین ﷺ
شکر گزاری کے فوائد
پاکستان: امریکہ کا اگلا ہدف....!
حضرت اُمِ حرام رضی اللہ عنہا بنت مِلحان
تاریخ ساز مدبّر
.... زندگی کوفیوں میں گزری ہے!

مومن کو دوست بناؤ اور گمراہ کی دوستی سے بچو

سُوْرَۃُ الْفُرْقَان — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیات: 28، 29

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

آیت:۲۸ ﴿يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾﴾ ’’ہائے میری شامت! کاش مَیں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا!‘‘

کہ میری زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا کہ میرے دل پر رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی سچائی منکشف ہونا شروع ہو گئی تھی، لیکن میرے فلاں دوست نے مجھے ورغلا کر پھر اس راستے سے بھٹکا دیا۔ کاش میں نے ایسے شخص کی دوستی اختیار نہ کی ہوتی!

آیت:۲۹ ﴿لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ﴾ ’’اُس نے مجھے گمراہ کر کے ’ذکر‘ سے برگشتہ کر دیا اس کے بعد جبکہ وہ میرے پاس پہنچ گیا تھا۔‘‘

ذکر کے پہنچ جانے سے مراد ایک تو یہ ہے کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے پوری بات سنا دی تھی اور دوسرے یہ کہ میری زندگی کے فلاں لمحے میں پیغامِ حق میرے دل کے تاروں کو چھیڑنے لگا تھا اور اس کی حقّانیت میرے دل کی گہرائیوں میں اترنے لگی تھی۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾﴾ کہ اے نبی ﷺ! ان سے ایسی بات کہیے جو ان کی روح کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ چنانچہ مذکورہ شخص اپنی ایسی ہی کیفیت کا اعتراف کرے گا کہ اس نصیحت‘ یاددہانی اور ہدایت کا ابلاغ میرے دل تک ہو چکا تھا‘ لیکن افسوس کہ میرے ساتھی نے مجھے پھر سے گمراہ کر دیا۔

﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾﴾ ’’اور شیطان تو انسان کو آخر دغا دینے والا ہے۔‘‘

شیطان انسان کے ساتھ بڑا ہی بے وفائی کرنے والا اور آخر کار اسے اکیلا چھوڑ جانے والا ہے۔

فرمان نبوی

سب سے بُرا آدمی

عَنْ اَبِیْ عَمامَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَبْدٌ اَذْھَبَ اٰخِرَتَہٗ بِدُنْیَا غَیْرِہٖ))

(مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابی عمامۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برا آدمی وہ ہے جو دوسرے کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت برباد کردے‘‘۔

تشریح: بعض لوگ دوستی، رشتہ داری یا دنیاوی مفاد کے لالچ میں کسی ظالم کی حمایت کر کے، اسے دنیا میں فائدہ پہنچاتے ہیں، لیکن آخرت میں یہ روسیاہ، بہت رسوا ہو گا اور اس کا شمار بدترین انسانوں میں ہوگا۔

تصحیح

شمارہ 37 میں صفحہ 2 پر علم کی طلب کے متعلق حدیث کا حوالہ صحیح بخاری کا چھپا ہے جبکہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
12 تا 18 ربیع الاوّل 1443ھ جلد 30
19 تا 25 اکتوبر 2021ء شمارہ 39
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org
''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محسن انسانیت : رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ سیاسی اور عسکری لحاظ سے غالب قوتوں کی تہذیب بھی مغلوب قوم پر اپنا زبردست اثر اور گہری چھاپ رکھتی ہے۔ آج دنیا پر مغربی تہذیب چھا چکی ہے۔ اچھا یا بُرا ہونا، جائز یا ناجائز ہونا الگ بات ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں۔ آج مغرب میں مدر ڈے، فادر ڈے، وومین ڈے اور نہ جانے کون کون سے ڈے منائے جاتے ہیں۔ مشرق میں عوام ہی نہیں مذہب اور مذہب کے علمبردار بھی اِس سے متاثر ہوئے، حالانکہ جس مذہب کی یہ تعلیمات ہوں کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے اور جس بیٹے سے باپ راضی اُس سے اللہ راضی اُس مذہب کے پیروکاروں کے لیے ایسے ڈے کیا اہمیت اور کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اثر پذیری کی انتہا ملاحظہ ہو کہ جس ہستی کو مسلمان محبوب سبحانی کہتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین کا درجہ دیتا ہے، جس ہستی کے سینہ مبارک کو اللہ رب العزت قرآن پاک کے نزول کے لیے منتخب فرماتا ہے۔ اُس کی سیرت کے فضائل بیان کرنے کے لیے اکثر و بیشتر ماہ ربیع الاوّل میں ہی قلم اُٹھتے اور لب کھلتے ہیں۔ اخبارات اور جرائد میں مضامین لکھے جاتے اور تقاریب منعقد کی جاتی ہیں۔ بہرحال آج کی مادی دنیا میں یہ بھی غنیمت ہے وگرنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا تو ربیع الاوّل کیا اور ربیع الثانی کیا؟ کون سا ماہ، دن، وقت اور گھڑی ایسی نہیں ہوتی کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کر کے اپنی دنیا اور آخرت نہ سنوار سکیں؟ البتہ حال ہی میں ایک بزرگ کی زبان سے یہ سن کر قلم تھر تھر کانپ رہا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان دنیا کی کسی بھی زبان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا خوانی کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و کمالات بیان کرے، ممکن نہیں کہ اس کا حق ادا کر سکے، کیونکہ شدید خطرہ لاحق رہتا ہے کہ انسان کی محدود سوچ اور تحریر و تقریر کی محدود صلاحیت سے کہیں کوئی توہین کا پہلو نہ نکل آئے۔ ہماری رائے میں یہ بات بالکل درست ہے اس لیے کہ غالب جیسا زبان دان اور قادر الکلام یہ کہہ کر ہتھیار ڈال دیتا ہے کہ: ؎

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

''غالب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اور اُن کی صفات کا ذکر اللہ پر ہی چھوڑتے ہیں اس لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا درجہ اور مرتبہ تھا صرف اللہ ہی جانتا ہے۔''

اور کسی بزرگ شاعر نے ان الفاظ میں بھی حقیقت کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہے: ؎

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

''اگر ہم اپنا دہن (منہ) ہزار بار مشک وگلاب سے دھولیں
تب بھی آپ کا نام لینا بے ادبی ہے۔''

کس شجر کی شاخ سے بنے گا وہ قلم اور کیسے میسر آئے گی وہ زبان جو آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا احاطہ کر سکے!—— طائف میں سخت ترین دن گزار کر خون آلود جوتیوں کو بمشکل پاؤں سے الگ کرتے ہوئے یہ ردِّعمل دینا کہ یہ بستی تباہ نہ ہو، شاید یہاں دین کا کوئی خادم پیدا ہو جائے۔ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جانا کہ وہ آج اپنا عمل کیوں نہ دہرا سکی۔ فتح مکہ پر حضور ﷺ کی عاجزی کا یہ حال تھا کہ داڑھی کے بال اونٹنی کے کجاوے کی لکڑی سے لگ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے خون کے پیاسوں اور بدترین دشمنوں کو عام معافی دی ---- کسی ہفت روزہ کا ڈیڑھ دو صفحہ کا بے چارہ اداریہ کس کس ادا کا احاطہ کرے گا؟ درحقیقت یہ ہے وہ انسانیت، یہ ہے وہ بشریت، جس کے آگے فرشتوں کے پاس سجدہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، اگرچہ یہ اللہ ربّ العزت کے حکم سے ہوا، یہ اُسی کے بس کی بات ہے کہ وہ الحکیم، العلیم اور العزیز بھی تو ہے۔ اس بزرگ کے اس صحیح انتباہ کے باوجود سمندر میں پانی کا ایک قطرہ مزید ڈالنے کی کوشش اس لیے کرنی چاہیے تا کہ آئندہ نسلوں کو کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ پھر یہ کہ اس حوالے سے تحریر وتقریر کے بعد اس پناہ گاہ میں پناہ حاصل کر لینی چاہیے کہ: ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

اُمت مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ جس طرح ہم قرآن مجید کو چومنے چاٹنے، اسے ریشمی غلاف میں لپیٹ کر اونچا رکھنے اور زیادہ سے زیادہ محض اس کی ناظرہ تلاوت کرنے کو اپنا کل دینی فریضہ سمجھتے ہیں، اسی طرح حضور ﷺ کی ثنا خوانی اور نعت گوئی سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم اللہ کی کتاب کی تکریم کے باوجود اس کو کتابِ ہدایت نہ سمجھیں، اسے اپنا امام نہ بنائیں، اس کے اوامرونواہی کا خود کو پابند نہ بنائیں، اسی طرح حضور ﷺ کی ثنا خوانی تو کریں لیکن سنتِ رسولؐ پر عمل پیرا ہونے سے گریز کریں، آپ ﷺ کے مشن کو اپنا مشن نہ بنائیں، تو کیا ہم اللہ اور رسول ﷺ کو راضی کر سکیں گے؟ بلکہ یہ کہہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کیا اللہ کے غضب سے بچ سکیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے حق دار قرار پا سکیں گے؟ بلاتشبیہہ عرض کیے دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ذات تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے، چہ نسبت خاک را با عالم پاک! کیا ایک عام شریف النفس انسان بھی پسند کرے گا کہ کوئی اس کی تعریف وتوصیف تو بہت کرے لیکن طرزِ زندگی بالکل مختلف رکھے، اس کی پسند اور ناپسند کا قطعی کوئی لحاظ نہ کرے اور خود کو اس کی تعلیمات کا پابند نہ سمجھے۔ جس ذات کے بارے میں خالق کائنات اور مالک ارض وسما کا یہ ارشاد ہو: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ذات بابرکت کی وہ انسانوں کی تعریف وتوصیف کا محتاج نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے اور نجات بھی اسی میں مضمر ہے کہ زبان درود وثنا سے تر ہو اور انسان عمل سے پہلے دیکھے کہ نبی ﷺ کی سنت کیا ہے، حدیث رسولؐ کیا ہے؟ باقی سب ہیچ ہے۔

آج اُمت مسلمہ خصوصاً ہم پاکستانی ایسے نظام میں جکڑے گئے ہیں جو استحصالی ہے۔ استعمار کے ایجنٹوں نے انسانوں کی گردنوں پر پنجے گاڑھے ہوئے ہیں۔ اس باطل نظام نے انسان کے منہ کو انسان کا خون لگا دیا ہے۔ لہٰذا سیاسی سطح پر ظلم ہے، جبر ہے، درندگی اور وحشت ہے۔ ہمارے معاشی نظام کی بنیاد ہی سود پر ہے جو کہ حرام مطلق ہے اور یہ استحصالی نظام ہے جس کی وجہ سے غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہو رہا ہے۔ معاشرتی سطح پر عدم مساوات ہے، عریانی اور بے حیائی ہے۔ جبکہ قرآن نے انسان کو جو عدل وقسط پر مبنی نظام دیا، جسے حضور ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کی مدد سے قائم ونافذ کیا، وہ عملاً آج قریباً متروک ہو چکا ہے۔ اب اگر آج کوئی نعت خواں کسی ظالم و جابر حاکم کے مرمریں محل میں نعتِ رسول ﷺ پیش کرے اور داد پائے تو اگرچہ ہم فتویٰ دینے کی پوزیشن میں نہیں لیکن عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ ہم سمجھیں کہ یہ دین کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ ہمارا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ ہم عدل وقسط پر مبنی اس نظام کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں جس کی خاطر آپ ﷺ مکے کی گلیوں میں کانٹوں پر چلے، طائف میں سنگ باری برداشت کی، حرم میں اونٹ کی اوجھڑی تلے دبے، اُحد میں دندانِ مبارک شہید کروائے اور غزوۂ احزاب کے موقع پر پیٹ پر دو دو پتھر باندھے۔ آیئے سیرتِ مبارکہ کے اس حصے پر غور کریں اور سنتِ رسول ﷺ کو اپنا کر اسلام کا اجتماعی نظام عدل قائم کریں اور دنیا کو جنت نظیر بنائیں۔ تب ہماری زبان کو زیب دے گا کہ ہم کہیں: ؎

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

شکر گزاری کے فوائد

(سورۃ الرحمن کی آیات 10 تا 13 کی روشنی میں)

جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ ﷾ کے یکم اکتوبر 2021ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

سورۃ الرحمن کی زیر مطالعہ آیات میں آج ہم اللہ تعالیٰ کی ان عظیم الشان قدرتوں کے بیان کا مطالعہ کریں گے جو زمین کے بنائے جانے، اس کے سجائے جانے، اس میں مخلوقات کی ضروریات کو پورا کرنے کے اہتمام اور طرح طرح کی نعمتوں کے حوالے سے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا:

﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ⑩﴾ ’’اور زمین کو اُس نے بچھا دیا مخلوق کے لیے۔‘‘

وضعھا کے معنی عربی میں ہوتے ہیں تیار کرنا، بنانا، سجانا۔ یہ زمین کوئی حادثاتی طور پر وجود میں نہیں آ گئی ہے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا خالق ہے، اس نے اس زمین کو تیار کیا ہے، بنایا ہے، سجایا ہے، مخلوق کے لیے موزوں بنایا ہے۔ الانام کا لفظ تمام جانداروں کے لیے آتا ہے اور تمام جانداروں کی ضروریات کا بھی اُسے پورا پورا ادراک ہے۔ یعنی ایسا بالکل نہیں ہے کہ وہ مخلوقات کی کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے بھی بے خبر ہے۔ جیسا کہ بعض فلسفیوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین و آسمان بنا دیے، مخلوقات کو بنا دیا، اب وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں پڑتا (معاذ اللہ)۔ یہ بعض فلسفیوں کی گمراہی کا تصور ہے۔ ورنہ خالق کائنات تو یہ فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ﴾ (قٓ:16) ’’اور ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم خوب جانتے ہیں جو اُس کا نفس وسوسے ڈالتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی ہر ہر بات اور ان کی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات اور حرکات سے بھی واقف ہے۔ اللہ کی شان تو یہ ہے کہ:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود:6) ’’اور نہیں ہے کوئی بھی چلنے پھرنے والا (جاندار) زمین پر، مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے‘‘

چٹان کو پھاڑ کر بھی دیکھیں تو کیڑے کے منہ میں غذا پہنچانے والا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ باقی اس سے آگے جو سوچ سکتے ہیں سوچ لیجیے۔ ہماری سوچ کی انتہا آ جائے گی لیکن خالق کی خلاقی اور اس کی قدرت کے نظاروں کی انتہا نہیں آئے گی۔

مرتب: ابوابراہیم

زمین کی ہی مثال لے لیجیے۔ زمین کی محوری اور مداری گردش بھی ہے لیکن اس کے باوجود اس قدر ساکن محسوس ہوتی ہے کہ زمین پر رینگنے والا چھوٹے سے چھوٹا کیڑا بھی زمین کی اس حرکت سے نہ گرتا ہے اور نہ اس کے افعال متاثر ہوتے ہیں۔ اسی طرح سورج اور زمین کا فاصلہ اور موسموں کا تغیر وتبدل اس قدر موزوں ہے کہ ہر قسم کی حیات کے لیے موزوں ہے۔ اگر تھوڑا سا بھی اس فاصلے میں بیلنس نہ ہوتا تو حیات ناممکن ہو جاتی۔ اسی طرح کشش ثقل میں جو توازن ہے وہ ہر جاندار اور اس کے افعال کے لیے اس قدر موزوں ہے کہ وہ آسانی سے چل پھر سکتے ہیں۔ پھر آکسیجن سمیت تمام گیسوں کی مقدار میں کیسا توازن ہے کہ ہر جاندار اپنی ضرورت کے مطابق استفادہ کر رہا ہے۔ اگر اس مقدار میں تھوڑا سا بھی عدم توازن ہوتا ہے تو زندگی کتنی مشکل ہو جاتی۔ پھر بارش اور پانی کا نظام دیکھیے کہ ہر جاندار کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ یعنی زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس انداز سے بنایا اور سجایا اور اس پر ایسے اسباب اور وسائل مہیا کیے ہیں کہ تمام جانداروں کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ ورنہ یہیں سے انسان جب خلا میں جاتا ہے تو وہاں اس کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ کس قدر آکسیجن اور دیگر وسائل اپنے ساتھ لے جانے پڑتے ہیں۔ لیکن اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے کتنے موزوں حالات اور وسائل رکھے ہیں کہ حیات کا تسلسل ممکن ہے۔ یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے لیے بنایا ہے کیونکہ ان کی حیات کی بقا کے لیے ہر ضرورت کو پورا کرنا اللہ کے ذمے ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے کہ اللہ نے مخلوقات کو پیدا کر کے بس چھوڑ دیا ہے۔ البتہ جن وانس کو قول وفعل کا اختیار دیا تا کہ ان کو آزمایا جا سکے۔ کچھ لوگ اس اختیار کا غلط استعمال کر کے زمین کے وسائل واسباب پر ناجائز قابض ہو جاتے ہیں اور پھر عام انسانوں کو جانوروں کی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ایسے ظالموں کا ہاتھ روکنے اور کبھی توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ قتال کا بھی حکم دیتا ہے اور ظلم کے خاتمے کے لیے اللہ تعالیٰ عدل کے نفاذ کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ زمین کے وسائل اور اسباب کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہ انسانوں کے حقوق غصب کرنے والے انسانوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ⑪﴾

"اس میں میوے ہیں اور کھجوریں ہیں، جن پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔"

غلاف سے مراد وہ پیکنگ ہے جس کے اندر پھل موجود ہوتا ہے۔ یہ غلاف ایک طرح سے پھلوں کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ جیسے سیب، کیلا، آم وغیرہ جیسے اکثر پھلوں کے اوپر ایک قدرتی پیکنگ ہوتی ہے جس کے اندر رہنا ان کی تروتازگی کے لیے، ان کی مٹھاس کے لیے، ان کے اندر جو اجزاء اور فوائد اللہ نے رکھے ہیں ان سب کی حفاظت کے لیے یہ غلاف بہت ضروری ہے۔

یہاں ضمنی طور پر عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو پردے کا حکم دیا ہے تو اس میں بھی کئی مصلحتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو اللہ شریعت کے احکامات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فتنے کا دور ہے، دجالی تہذیب کے اثرات بھی ہیں اور دجال کا آخری حملہ عورت کی نام نہاد آزادی کے نام پر ہونا ہے کہ اس کو باہر نکالو اور بالکل آزاد کر کے معاشرے میں کھڑا کر دو۔ اصل میں یہ ان کی ہوس اور ان کے بزنس کا معاملہ ہے۔ اس لیے دجالی تہذیب کے ہمنوا اور اس کے دلدادہ چاہتے ہیں کہ وہ عورت کو شوپیس اور شمع محفل بنا کر پیش کریں۔ حالانکہ یہ عورت کی تذلیل ہے۔ اس کے مقابلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ عورت کو پروٹیکشن عطا کرنا چاہتا ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ عورت کو اگر ضرورتاً گھر سے باہر نکلنا ہے تو ضرور نکلے مگر شرعی احکام کو پورا کرتے ہوئے نکلے تاکہ اس کی عزت اور وقار پر کوئی حرف نہ آئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پھلوں کی تازگی، خوشبو، رنگت، ضائقے اور اجزاء وفوائد کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کی پیکنگ کا اہتمام کیا۔ پھر ایک ہی طرح کی زمین اور ایک طرح کے پانی سے کتنی اقسام کے پھل اور میوے پیدا کیے کہ ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسموں کے تناسب سے پھلوں کو پیدا کیا۔ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کریں اور اپنے رب کا شکر ادا کر سکیں۔ آگے فرمایا:

﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾﴾ "اور بھس والا اناج بھی ہے اور خوشبودار پھول بھی۔"

یہ اجناس، اناج اور غلہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں بھی پیکنگ ہوتی ہے۔ وہ اناج ہم استعمال کرتے ہیں اور اناج کے ساتھ جو بھوسہ ہوتا ہے وہ جانوروں کی غذا کے طور پر کام آرہا ہوتا ہے۔ وہی جانور جب بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کا گوشت ہم استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی چارے سے جو دودھ بنتا ہے وہ بھی ہم استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی غذا کا نظام بنایا ہے جس میں بہت ساری نشانیاں ہیں۔ یہاں ریحان سے مُراد خوشبودار پھول ہیں۔ پھول اور ان کی خوشبو بھی اس دھرتی پر ایک بڑی نعمت ہیں اور اس کے حسن وجمال کا حصہ ہیں۔ کیا یہ نظام خود بخود بن گیا ہے؟ یا خود بخود چل رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ ان نعمتوں کا ذکر کر کے سادہ انداز میں بندوں کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ پلٹ آئیں حق کی طرف۔ اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے وہ چاہے عام آدمی ہو یا پھر سائنس کے کسی شعبے کا ماہر ہو جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ان نشانیوں پر غور کرتا ہے تو پکار اُٹھتا ہے کہ وہی حق ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہے اور اس کا نظام بھی وہی چلا رہا ہے۔ آپ دیکھئے کئی غیر مسلم اس وجہ سے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ آگے فرما رہا ہے:

﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾﴾ "تو تم دونوں (گروہ) اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں اور قدرتوں کا انکار کرو گے؟"

یہاں جنات اور انسانوں سے خطاب ہو رہا ہے۔ اسی لیے تثنیہ کا صیغہ آیا ہے کہ تم دونوں گروہ اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ لفظ آلاء کا ترجمہ نعمتیں بھی کیا گیا ہے

پریس ریلیز 15 اکتوبر 2021ء

اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی مسلمانوں کے لیے راہِ نجات ہے

شجاع الدین شیخ

اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی مسلمانوں کے لیے راہِ نجات ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ماہِ ربیع الاوّل کے حوالے سے کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو آخری نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ امیر تنظیم نے واضح کیا کہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی لیے حضور ﷺ کا کامل اتباع کسی خاص ماہ وسال سے جڑا ہوا نہیں بلکہ ہمہ وقت، ہمہ گیر اور ہمہ جہت اتباعِ رسول ﷺ مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم اِس ماہ میں محافل میلاد منعقد کر کے حضور ﷺ کو خراجِ عقیدت تو پیش کرتے ہیں جو یقیناً باعثِ ثواب ہے لیکن یہ بات باعثِ افسوس اور ندامت ہے کہ سال بھر آپ ﷺ کے فرمودات پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دین کو نافذ کرنے کے مشن سے عبارت ہے اُسے فراموش کر چکے ہیں اور نہ ہی واعظین کی طرف سے اُس کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ہی مشن کی وجہ سے پہلے قریش مکہ اور بعد ازاں یہود ونصاریٰ آپ ﷺ کی جان کے دشمن بن گئے۔ حکومت کی طرف سے رحمۃ للعالمین اتھارٹی قائم کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ اگرچہ یہ سب کچھ قابلِ تحسین ہے لیکن اصل مسئلہ عمل کا ہے اور یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ رحمۃ للعالمین اتھارٹی اجتماعی نظام کے حوالے سے بھی کوئی جوہری تبدیلی لا سکے گی یا نہیں کیونکہ جب تک ہر سطح پر مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ نہیں ہوتا، اِس طرح کے اقدامات ثمر آور نہیں ہو سکیں گے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

اور اس کا ایک ترجمہ اللہ کی قدرت بھی کیا گیا ہے۔ زمین اللہ نے بنائی اور سجائی، زمین سے جو ہم استفادہ کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہے، اس سے جو فائدہ اٹھاتے ہیں یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ ہم ان میں سے کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب جنات نے اس آیت کو سنا تو جواب دیا:

(لَا بِشَیْ ءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا لَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ) ''اے ہمارے رب! ہم تیری نعمتوں میں کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کرتے، تیرے ہی لیے ہیں ساری تعریفیں۔''

تکذیب کا ایک سادہ ترجمہ ہے جھٹلانا۔ یہ جھٹلانا کئی اعتبارات سے ہو سکتا ہے۔ مختصراً چند پہلو یہ ہیں:

1۔ ایک وہ شخص ہو سکتا ہے جو خالق کائنات کا سرے سے منکر ہو اور مانتا ہی نہ ہو۔ اس کا خیال یہ ہو کہ میں بھی by chance پیدا ہو گیا اور یہ کائنات بھی by chance بن گئی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو دہریہ (Athiest) کہا جاتا ہے۔ امت کے اسلاف اور امت کے علماء نے ان لوگوں تک بھی دعوت پہنچانے کا کام کیا اور آج بھی یہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک خاص میدان ہے

2۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو رب کو مانتا تو ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جس نے زمین و آسمان کو بنایا، اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہماری ضروریات کو پورا کر رہا ہے مگر اس کے ساتھ وہ کچھ اور لوگوں کو شریک کر دیتا ہے۔ جیسے مشرکین مکہ کا معاملہ تھا۔ وہ بھی اللہ کو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ بتوں کو شریک کیا ہوا تھا کہ فلاں دیوی ہمیں یہ فائدہ دیتی ہے، فلاں دیوتا فلاں دیتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ نے ان کو کچھ اختیارات تفویض کیے ہوئے ہیں۔ یہ اولاد دینے والا، یہ رزق دینے والا اور یہ مشکلات سے نکالنے والا۔ معاذ اللہ! یہ بھی تکذیب ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور خالق کائنات کا شکر بجالانے کی بجائے جس کو شریک کیا جا رہا ہے اس کا شکر بجالانے کی کوشش کرے، یا اس سے توقعات رکھے یا سمجھے کہ اس نے مجھے کچھ دیا ہے۔ فلاں مسئلہ میرا اس نے حل کرایا۔ یہ شرکیہ طرز عمل بھی تکذیب ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

3۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو رب کو مانتا بھی ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی عطا کرنے والا ہے۔ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ خالق کائنات نے اس کا شکر بجالانے کا تقاضا کیا ہے۔ اب اس شکر بجالانے کا تقاضا ہے کہ اس خالق کی منشاء اور مرضی کے مطابق زندگی گزاری جائے، اس خالق کو تسلیم کیا جائے کہ وہ صرف خالق اور رازق ہی نہیں وہ حاکم بھی ہے اور اس نے احکامات بھی عطا فرمائے ہیں، ان احکامات کی پاسداری کرنا بھی شکر کا تقاضا ہے۔ لیکن اس کے باوجود عملی طور پر اس کا اہتمام نہ کیا جائے تو یہ بھی تکذیب کے زمرے میں آتا ہے۔

کھاتے اس کا ہو، پیتے اس کا ہو، زندگی اس کے عطا کردہ وسائل سے جاری ہے مگر اس کو حاکم نہیں مانتے ہو، اس کا حکم نہیں بجالاتے ہو، اس کے احکامات کی پاسداری نہیں کرتے ہو، اس کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہو بلکہ معصیت کا معاملہ کرتے ہو، ناشکری کا رویہ اختیار کرتے ہو، نافرمانی کا رویہ اختیار کرتے ہو تو یہ بھی تکذیب کے ذیل میں آئے گا۔

4۔ ایک پہلو یہ ہے کہ خالق وہ رب ہے، اس جسم کا مالک بھی وہ ہے اور نعرے کیا لگیں: میرا جسم میری مرضی تو یہ بھی ناشکری کی باتیں ہیں۔ خالق وہ ہے، مالک بھی وہ ہے، کھلانے پلانے والا وہ ہے، اُسی نے ہمیں پیدا کیا اور اُسی کا کھا کر ہم بڑے ہوئے تو اس جسم پر مرضی بھی اُسی رب کی چلنی چاہیے۔ اُس نے جو صلاحیتیں اور وسائل عطا فرمائے وہ بھی اس کی مرضی سے صرف ہونے چاہئیں۔ تب اس کا شکر ادا ہو گا۔ یہ آنکھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دی ہوئی ہے اس آنکھ کو وہاں نہ استعمال کرو جہاں رب نے منع فرما دیا۔ یہ زبان اللہ کی عطا کردہ ہے اس کی نعمت ہے اس کی امانت ہے، اس سے وہ الفاظ نہ نکلیں جس سے رب ناراض ہو جائے۔ یہ کان اللہ کے عطا کردہ ہیں، یہ کان وہاں استعمال نہ ہوں جہاں رب نے منع فرما دیا۔ یہ پورا وجود اللہ کا عطا کردہ ہے۔ یہ وسائل اللہ کے عطا کردہ ہیں، صلاحیتیں اور نعمتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں ان کو وہاں استعمال کروں جہاں اللہ راضی ہو جائے۔ وہاں استعمال نہ کروں جہاں رب ناراض ہو جائے۔ یہ ہیں تکذیب کے اعتبار سے سمجھنے کی چند باتیں۔ تکذیب کے متضاد شکر گزاری ہے اور شکر تین طرح کا ہے۔

1۔ شکر بالقلب۔ 2۔ شکر باللسان، 3۔ شکر بالجوارح۔ یعنی دل سے شکر، زبان سے شکر اور پورے وجود سے شکر۔

شکر بالقلب: اعتراف کرنا، زبان سے تسلیم کرنا، ماننا کہ جتنا کچھ میرے پاس ہے یہ میرے رب کا عطا کردہ ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ یہ وجود، یہ مال، یہ اولاد، یہ کمپنی، یہ بزنس، یہ پوزیشن، یہ ڈگری وغیرہ سب کچھ میرے رب کا عطا کردہ ہے۔

شکر باللسان: زبان سے شکر یہ ہے کہ زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی جائے۔ بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کردہ مسنون دعائیں اور اذکار ہیں۔ ان دعاؤں اور اذکار کا اہتمام کیا جائے۔ صبح جاگے ہیں تو آغاز دعا سے کریں، یہ اللہ کا شکر ہے، کھانا کھا لیا تو اس کے بعد کی دعا پڑھ لیں، یہ شکر ہے، لباس پہن لیا تو اس کی دعا پڑھ لیں یہ بھی شکر ہے۔ الغرض ہر ہر کام کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے دعائیں سکھائی ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکرانے کے کلمات ہیں۔ ان کا اہتمام ہو۔

شکر بالجوارح: پورے وجود سے شکر ادا کرنا۔ یہ وجود اور اس میں رکھی گئی تمام صلاحیتیں، اللہ کی امانت ہیں۔ ان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں صرف کرنا شکر ہے۔ اگر ان وسائل کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی میں استعمال کیا جا رہا ہے تو یہ ناشکری ہے، یہ تکذیب کا معاملہ ہے۔ شکر اور ناشکری کے حوالے سے قرآن حکیم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ﴾

(ابراہیم: 7) ''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔''

ہم سب مزید چاہتے ہیں، جو ملا اس پر تو شکر کرو۔ وہ مت دیکھو جو تمہارے پاس نہیں ہے، وہ دیکھو جو تمہارے پاس ہے لیکن لاکھوں کروڑں کے پاس نہیں ہے۔ یعنی جو ملا اس پر شکر کرو۔

﴿وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ ۞﴾

(ابراہیم: 7) ''اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین!

امریکہ پاکستان کا دوست نہیں بلکہ فطری دشمن ہے، جب تک پاکستان سے مفادات تھے یہ دشمنی چھپی ہوئی تھی، اب امریکہ کا سب سے بڑا ٹارگٹ پاکستان بن گیا ہے: **ایوب بیگ مرزا**

امریکی سینٹ میں پیش ہونے والا ’’افغانستان کاؤنٹر ٹیررازم، اور سائٹ اینڈ اکاؤنٹیبیلیٹی ایکٹ‘‘ ظاہر کرتا ہے کہ عالمی طاقتیں پاکستان کے خلاف عملی اقدامات کی تیاری کر رہی ہیں: **رضاء الحق**

پاکستان: امریکہ کا اگلا ہدف......! کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ’’زمانہ گواہ ہے‘‘ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: ڈاکٹر حبیب اسلم

سوال: حال ہی میں رپبلیکن پارٹی کے 22 سینیٹرز نے ’’افغانستان کاؤنٹر ٹیررازم، اور سائٹ اینڈ اکاؤنٹیبیلیٹی ایکٹ‘‘ کے نام سے ایک بل پیش کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ بل پیش کر کے امریکہ نے پاکستان کے خلاف بلیم گیم شروع کر دی ہے۔ اس بل کے مندرجات کیا ہیں اور اس کا پس منظر کیا ہے؟

رضاء الحق: امریکہ نے افغانستان میں شکست کے بعد پاکستان کو دھمکیاں دینی شروع کر دی تھیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اب کچھ عملی اقدام بھی شروع کر دیے ہیں۔ افغانستان میں امریکہ نے عسکری، ڈپلومیٹک اور نظریاتی سطح پر ہر لحاظ سے شکست کھائی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انخلاء کے وقت زخم تازہ تھے اس لیے احساس نہیں ہو رہا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس شکست کی تکلیف بڑھتی جا رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ نے شکست تسلیم تو کر لی ہے لیکن وہ الزام اپنے اوپر نہیں آنے دے رہا بلکہ دوسروں کو مورد الزام ٹھہرا رہا ہے۔ جہاں تک ’’افغانستان کاؤنٹر ٹیررازم، اور سائٹ اینڈ اکاؤنٹیبیلیٹی ایکٹ‘‘ کا تعلق ہے تو یہ امریکہ کے 22 سینئر سینیٹرز نے پیش کیا ہے۔ بل پیش کرنے والوں کو جم رِش نے لیڈ کیا جو نیوکنزرویٹو سینیٹر ہے۔ باقی سینیٹرز بھی نیوکانز ہیں اور یہ ملٹری انڈسٹریل کمپلیکس کو سپورٹ کرنے والے لوگوں میں سے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہودی بھی ہیں۔ یعنی یہ لوگ وہاں کے ہاکس ہیں۔ اب انہوں نے میڈیا، تھنک ٹینکس اور قانون ساز اداروں کے ذریعے پاکستان کو ٹارگٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ جہاں تک مذکورہ بل کے مندرجات کا تعلق ہے تو یہ تقریباً 56 صفحات کا مسودہ ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی شکست کی وجوہات کی پوری ایک تاریخ بیان کی ہے جس میں چین اور روس کا بھی ذکر ہے لیکن سیکشن 202 میں صفحہ 25 تا 27 تک پاکستان کا خصوصی طور پر ذکر ہے۔ اس میں انہوں نے تین چیزوں کا ذکر کیا:

1۔ نائن الیون کے بعد سے لے کر اب تک پاکستان نے افغان طالبان کو جس جس طرح سپورٹ کیا اس حوالے سے انوسٹی گیشن کی جائے۔

مرتب: محمد رفیق چودھری

2۔ 15 اگست 2021ء کو افغان طالبان نے کابل کو فتح کیا۔ اس میں پاکستان کس حد تک ملوث تھا۔ اس کی بھی تحقیق کی جائے۔

3۔ پنجشیر پر افغان طالبان کی فتح میں پاکستان کس حد تک ملوث ہے۔ اس پر بھی تحقیق کی جائے۔

افغانستان پر افغان طالبان کی فتح کے معاملے میں بھارتی اور مغربی میڈیا پہلے سے ہی پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلا رہے تھے۔ انڈیا کے اخبارات نے پنج شیر کی فتح پر لکھا تھا کہ پاکستان نے افغان طالبان کی فضائی مدد کی اور ایف 15 طیارے استعمال کیے حالانکہ پاکستان کے پاس ایف 15 ہیں ہی نہیں۔ اس پروپیگنڈا کے بعد بھارت اور مغرب پاکستان کا گھیرا تنگ کرنے کے لیے دیگر ہتھکنڈوں پر اُتر آئے ہیں۔ ان کے پاس ثبوت میں یہی پروپیگنڈا رپورٹس ہوتی ہیں جو امریکی عہدیدار پیش کرتے ہیں اور اس کے علاوہ فارن انٹیلی جنس کی جھوٹ پر مبنی رپورٹس کو سامنے رکھ کر وہ کارروائی کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک لمبی فہرست دی ہے کہ بیس سالہ دہشت گردی کی نام نہاد جنگ میں اگر پاکستان فلاں فلاں کاموں میں ملوث پایا جائے تو اس پر پابندیاں لگائی جائیں۔ اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ افغان طالبان پر بھی پابندیاں لگائی جائیں اور ان کو اقوام متحدہ سمیت کسی بھی عالمی فورم میں نمائندگی نہ دی جائے۔ افغانستان میں سفیر نہ بھیجے جائیں اور ان کی اکانومی جس طرح چلتی ہے، چلتا رہنے دیں اور افغانستان کے اپنے اثاثہ جات بھی ان کو نہ دیں۔ یہ بڑی عجیب صورت حال ہے کہ دنیا بھر کے مندوبین اور سفراء افغان طالبان سے ملتے ضرور ہیں لیکن ان کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔ جب یہ بل پیش ہوا تو اس کے تقریباً تین دن بعد 30 ستمبر کو سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کے سامنے پینٹا گون کے ہائی لیول کے لوگ جوابدہی کے لیے پیش ہوئے۔ ان میں وزیر دفاع لائڈ آسٹن، آرمی چیف جنرل مارک ملی اور سینٹ کام کا چیف جنرل مکینزی تینوں موجود تھے۔ ان تینوں نے پاکستان مخالف باتیں کیں۔ سیکرٹری دفاع نے کہا کہ افغان طالبان اور پاکستان کی خفیہ ایجنسی ISI کے تعلقات تھے، اس پر ہم بات تو کر سکتے ہیں لیکن سب کے سامنے نہیں بلکہ بند کمرے میں کریں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ ثبوت ہوں نہ ہوں لیکن وہ دنیا کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے خلاف ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ جنرل ملی نے کہا کہ میں یعنی پینٹا گون نہیں چاہتا تھا کہ افغانستان سے مکمل انخلاء ہو، ہم 2500 فوجی وہاں رکھنا چاہتے تھے لیکن جو بائیڈن نہیں مانا اور چونکہ پالیسی سیٹ کرنا ان کا کام تھا اس لیے میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔ ساتھ اس نے کہا کہ ہم شکست کھا چکے ہیں لیکن اس کا الزام کابل انتظامیہ اور پاکستان کے اوپر تھوپ دیا۔ اس نے پھر کہا کہ ہمیں اس چیز کا خدشہ ہے کہ افغان طالبان اقتدار میں آ گئے ہیں تو اس کی وجہ سے پاکستان کی ریاست

اور نیوکلیئر اثاثے دونوں خطرے میں ہیں۔ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ پاکستان کے خلاف پہلے جو چیز دھمکیوں کی صورت میں تھی وہ اب عملی اقدامات کی طرف بڑھ رہی ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ وہ اب اپنا ایجنڈا پاکستان میں امپوز کریں گے اور اس کے بعد پاکستان پر پابندیاں بھی لگا سکتے ہیں۔

سوال: پاکستان کے خلاف امریکہ کی نئی سٹریٹیجی کیا سامنے آنے والی ہے۔اگر پاکستان پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں تو اس کے پاکستان پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں اور فلاں آپس میں فطری اتحادی ہیں میں عرض کرتا ہوں کہ امریکہ اور پاکستان فطری دشمن ہیں۔ گزشتہ پون صدی میں امریکہ اور پاکستان کے تعلقات بہت اچھے بھی رہے ہیں لیکن دوستی دونوں طرف سے نہیں تھی۔ ایک طرف امریکی سائیڈ پر فریب، دھوکہ دہی اور بہروپیا پن نظر آتا ہے جبکہ دوسری سائیڈ پر پاکستان میں اقتدار کی ہوس، دولت، مراعات اور اپنی اولادوں کو امریکہ بھیجنے کی لالچ نظر آتی ہے۔ 1945ء کے بعد جب امریکہ سپر پاور بنا تو اس وقت اس کے لیے سوویت یونین اور کمیونزم سب سے بڑا چیلنج تھا جس سے نمٹنے کے لیے اس کو بعد ازاں پاکستان کی ضرورت پیش آئی اس لیے پاکستان سے تعلقات بنائے۔ پاکستان میں بھی اقتدار اور دولت کی لالچ نے ان تعلقات کا خیر مقدم کیا۔ البتہ یہ دوستی نہیں تھی بلکہ خرید و فروخت کا معاملہ تھا۔ نائن الیون کے بعد امریکہ کو پاکستان کی ضرورت پڑی اور دوسری طرف مشرف کے اقتدار کے لالچ نے امریکہ کو ویلکم کیا۔ یعنی ایک بار پھر خرید وفروخت ہوئی لیکن اصل ہدف امریکہ کا پاکستان تھا۔ پہلے اس نے کھل کر پاکستان سے دشمنی کا اظہار اس لیے نہیں کیا کہ اسے پاکستان کی ضرورت تھی۔ اب چونکہ اس کا مطلب نکل گیا ہے لہٰذا وہ پاکستان سے کھل کر دشمنی کا اظہار کر رہا ہے۔ پہلے جب بھی وہ پاکستان دشمنی میں اپنا اصل روپ دکھانا چاہتا تھا تو عالمی سطح پر کوئی نہ کوئی ایسا موڑ آ جاتا تھا کہ پاکستان سے دوستی اس کی مجبوری بن جاتی تھی۔ اب بھی اگر پاکستان اشارہ دے دے کہ میں چین کے خلاف استعمال ہونے کو تیار ہوں تو پابندیاں تو دور کی بات ہیں، ڈالر پھر آنا شروع ہو جائیں گے اور محبت کی پینگیں بھی بڑھنا شروع ہو جائیں گی۔ لیکن چونکہ اب پاکستان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے اس لیے امریکہ کھل کر دشمنی کا اظہار کر رہا ہے۔اب پاکستانیوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس مادی دنیا کی سب سے بڑی طاقت ان کے خلاف ہو چکی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کریں وگرنہ دنیا میں کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو ہمیں امریکہ سے بچا سکے۔ امریکہ کا طرز عمل ہمارے ساتھ یہ تھا کہ جب وہ قرضہ دیتا تھا تو اس قرض کا کافی بڑا حصہ پہلے ہی وہیں کٹوتیوں میں کٹ جاتا تھا جس کا نقصان یہ ہوا کہ ہمارے بیوروکریٹس اور سیاستدانوں کے بینک بیلنس تو بڑھ گئے لیکن قوم مقروض ہوتی چلی گئی اور مقروض کے لیے بولنا، جرأت سے کام لینا آسان نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم مقروض ہیں ہماری معاشی حالت اچھی نہیں اور وہ تو ہم پر پابندیاں لگانے کو تلا ہوا ہے۔ بالکل سیدھی بات ہے کہ پاکستانیوں کو اس بات کو سمجھنا چاہیے اگر اس وقت امریکہ ہمارے

> ہمارے پڑوس میں ساری عالمی طاقتوں کو روند کر افغان طالبان کی اسلامی قائم ہو رہی ہے۔ اسی طرح ہم بھی اگر اللہ پر بھروسا کریں اور اس کے دین کے ساتھ مخلص ہو جائیں تو اللہ ہماری مدد کرے گا اور امریکہ کو منہ کی کھانی پڑے گی ورنہ ہم بے موت مارے جائیں گے

اوپر پابندیاں لگاتا ہے تو اللہ بچائے تو ہم بچ سکیں گے وگرنہ ظاہری طور پر اور دنیوی طور پر کوئی چیز نظر نہیں آتی کہ ہم سروائیو کر سکیں گے۔ اللہ ہمیں ایسا ایمان، ایسی طاقت عطا فرما دے کہ ہم ڈٹ جائیں جیسے بھٹو نے کہا تھا کہ گھاس کھالیں گے لیکن ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔ لیکن روس نے افغانستان پر حملہ کر دیا اور ہمیں گھاس کھانے کی نوبت ہی نہ آئی بلکہ ہمارے منہ میں سونے کے چمچے دیے گئے۔ پھر جب گھاس کھانے کا وقت آیا تو نائن الیون کا واقعہ ہو گیا۔ اب کوئی اور عذر نظر نہیں آتا جس کا ہم سہارا لے سکیں سوائے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کے۔

سوال: پہلے ہی مہنگائی بہت ہو چکی ہے اور مزید پابندیاں لگ گئیں تو کیا بنے گا؟

ایوب بیگ مرزا: وہ صرف پابندیاں نہیں لگائے گا بلکہ میڈیا کے ذریعے بھی ہمیں اتنا بدنام کرے گا اور ہمارے اندرونی حالات کو اس طرح اُچھالے گا کہ یہاں ایسے طبقات پیدا ہو جائیں گے کہ ملک اندرونی طور پر انتشار کی طرف جا سکتا ہے۔ لہٰذا اصل بات وہی کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ امریکہ ہمارا فطری دشمن ہے اور اس کی دشمنی کا مقابلہ صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ ہم اپنے رویے درست کر لیں، حرام خوری سے بچنے کی کوشش کریں اور عیاشی کی زندگی کی بجائے محنت اور جستجو کی زندگی گزاریں۔ تب ہی ہم بچ سکتے ہیں۔ امریکی عوام اپنے میڈیا پر بہت بھروسا کرتے ہیں۔ وہاں یہ تاثر دے دیا گیا ہے کہ تمہیں شکست نہیں ہوئی بلکہ پاکستان نے ہم سے غداری کی ہے، پاکستان ہم سے پیسے لیتا تھا اور افغان طالبان کا کام کرتا تھا۔ چنانچہ وہاں کی عوام بھی ہمارے خلاف ہے، حکمران بھی خلاف ہیں۔ ایسی صورت میں اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامنے کے سوا کوئی چارا نہیں۔

سوال: کچھ عرصہ پہلے امریکہ نے جاپان، آسٹریلیا اور انڈیا کے ساتھ مل کر کواڈ کے نام سے ایک اتحاد بنایا تھا اور اب ایک نیا اتحاد AUKUS کے نام سے بنایا گیا ہے۔ یہ کیا ہے اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟

رضاء الحق: سوویت یونین کے خاتمے پر چین امریکہ کے لیے خطرہ بننا شروع ہوا۔ چنانچہ 2004ء کے بعد امریکہ نے چین کو کنٹرول کرنے کے لیے چار ممالک پر مشتمل ایک اتحاد کواڈ کے نام سے بنایا تھا جس میں امریکہ، آسٹریلیا، جاپان اور بھارت شامل تھے۔ جاپان جغرافیائی لحاظ سے اہم جگہ پر موجود ہے البتہ وہ ملٹری کے لحاظ سے بہت بڑی طاقت نہیں تھی۔ اس لیے ان کا فوکس انڈیا پر تھا کیونکہ انڈیا ایک بڑی طاقت ہے۔ پھر امریکہ افغانستان میں انڈیا کو استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن وہاں بھی انڈیا کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کے بعد امریکہ کو نیا اتحاد بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ امریکہ، برطانیہ اور آسٹریلیا پر مشتمل نیا اتحاد AUKUS کے نام سے بنایا گیا۔ آسٹریلیا میں امریکہ کا بہت اثر رسوخ ہے۔ آسٹریلین انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز جو آسٹریلیا کا بہت بڑا تھنک ٹینک ہے اس کو یونائیٹڈ سٹیٹس ڈیپارٹمنٹ آف ڈیفنس فنڈنگ کرتا ہے۔ امریکہ کی تین بڑی اسلحہ ساز کمپنیز اس کو فنڈنگ کرتی ہیں۔ اسی اثر رسوخ کی بناء پر آسٹریلیا کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ سے بیانات دلوائے گئے کہ چین کا تائیوان پر دعویٰ درست نہیں، یعنی تائیوان میں چین مداخلت کر رہا ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ چین کی کمیونسٹ پارٹی کی جگہ کسی اور پارٹی کو آگے لانے کی ضرورت ہے، یعنی رجیم چینج تک کی بات کی گئی۔ پھر امریکہ نے آگے بڑھ کر آسٹریلیا کو نیوکلیئر سب میرینز کی سپلائی کا معاہدہ فرانس سے چھین لیا۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ساؤتھ چائنا سی میں آسٹریلیا بھی چین سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ مشہور فلسفی

آرنلڈ ٹائن بی نے امریکہ کی خارجہ پالیسی کی چار فاؤنڈیشن بنائی تھیں:

1۔ امریکہ لاطینی امریکہ میں کسی اور غیر لاطینی سپر پاور کو آنے نہیں دے گا، خود سپر پاور کے طور پر رہے گا اور یہ اس کا بیک یارڈ ہوگا۔ یعنی یہاں پر وہ ہر صورت میں موجود رہے گا۔

2۔ پیسفک اور اٹلانٹک اوشن جو امریکہ کے دونوں سائیڈز پر لگتے ہیں، ان دونوں پر امریکہ ہر صورت میں اپنا غلبہ قائم رکھے گا۔ یعنی بحری دنیا میں بھی وہ سپر پاور کے طور پر موجود رہے گا۔

3۔ یوریشیا یعنی یورپ اور ایشیا میں بھی امریکہ ہر صورت میں سپر پاور کے طور پر رہے گا اور اس کو کوئی چیلنج کرنے والا نہ ہو۔

4۔ اس کا سرمایہ دارانہ نظام کہیں دنیا میں چیلنج نہ ہو۔

یہ ٹائن بی کی چار فاؤنڈیشنز ہیں لیکن ہم پانچویں بھی شامل کر لیتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کو ہر صورت میں سپورٹ کرنا ہے چاہے امریکہ کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ AUKUS جیسے اتحاد بنانے کی یہی وجوہات ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: کوآڈ تقریباً سولہ سترہ سال پہلے بنا تھا البتہ پہلے یہ غیر فعال تھا اور اب چند سالوں سے اس کو فعال کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کوآڈ کے ہوتے ہوئے AUKUS کی ضرورت کیوں پڑی؟ میں سمجھتا ہوں کہ بھارت امریکہ کے لیے ناگزیر ہے۔ امریکہ اور بھارت فطری دوست ہیں۔ پھر وہ ایک بہت بڑی مارکیٹ ہے اور اس کی بہت بڑی آبادی ہے۔ لیکن چونکہ بھارت نے افغانستان میں فوج نہیں بھیجی اور پھر چین سے بھی اچھی خاصی مار کھائی ہے، اس کے علاوہ انڈیا کے داخلی معاملات بھی خراب چل رہے ہیں اس لیے امریکہ نے یہی سمجھا ہے کہ بھارت کو پیچھے نہیں ہٹانا لیکن اس پر زیادہ انحصار بھی نہیں کرنا۔ اس لیے اس نے کوآڈ کو ختم نہیں کیا تاکہ بھارت کا نام رہے۔ AUKUS میں بھی کام کرنے والے دو ہی ممالک ہیں یعنی امریکہ اور برطانیہ جبکہ آسٹریلیا کی چونکہ بحری سرحدیں ساؤتھ چائنا سی کے ساتھ لگتی ہیں اس لیے اس کی ضرورت ہے۔ بہر حال بھارت سے امریکہ مایوس ضرور ہے لیکن کسی صورت اس کو چھوڑے گا نہیں۔

سوال: کیا پاکستان میں دہشت گرد کارروائیوں میں تیزی ہائبرڈ وار کا حصہ ہے؟

رضاء الحق: دہشت گردی بھی ہائبرڈ وار کا ہی حصہ ہے جس کو بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ آج کل کے دور میں طاغوتی قوتیں (اسرائیل، انڈیا، امریکہ وغیرہ) اس کو استعمال کرتی ہیں۔ پاکستان کے خلاف بہت زیادہ استعمال ہوا ہے اور اب افغانستان کے خلاف بھی استعمال ہونا شروع ہو گیا ہے۔ جب سے افغانستان میں طالبان کی حکومت قائم ہوئی ہے داعش نے اسلامک سٹیٹ خراسان کے نام سے وہاں دہشت گرد کارروائیاں شروع کر دی ہیں۔ پچھلے دنوں وہاں ایک مسجد میں داعش نے خودکش حملہ کیا۔ یہ کام مسلمانوں کا تو ہو نہیں سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو افغانستان کی اسلامی حکومت کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان میں بھی ایسی کارروائیوں میں انڈین حکومت اور اس کی ایجنسی ''را''، امریکی سی آئی اے اور اسرائیلی موساد وغیرہ ملوث ہوتی ہیں۔ حالیہ دنوں میں اس کی جو نئی لہر نظر آ رہی ہے یہ بھی پاکستان کے خلاف ہائبرڈ وار کا حصہ ہے اور اس کو کوآڈ اور AUKUS وغیرہ کے ساتھ لنک کر کے ہی دیکھا جائے گا۔ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور چین کے تعلقات میں دراڑ پڑے اور یہ کون چاہتا ہے سب کو معلوم ہے۔ انڈیا گلگت بلتستان اور بلوچستان پر حملہ کی دھمکی دیتا ہے اس کا مقصد کیا ہے یہ سب کچھ ہائبرڈ وار کا حصہ ہے۔

سوال: کیا ٹی ٹی پی اور حکومت کے درمیان مذاکرات ہونے چاہئیں؟ کیونکہ کچھ لوگ کہتے ہیں اس سے فوج بُرا منائے گی؟ آپ کی کیا رائے ہے۔

ایوب بیگ مرزا: جن ممالک کی عسکری حیثیت بہتر ہوتی ہے وہاں فوج کی مداخلت کے بغیر تنازعات کے حوالے سے کوئی بات نہیں ہوتی اور پاکستان میں تو ابتداء ہی سے اسٹیبلشمنٹ کا تقریباً ہر معاملے میں رول رہا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ فوج کو برا لگے گا حقیقت سے دور کی بات ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ یہ فیصلہ فوج کی طرف سے ہی آیا ہوگا کیونکہ فوج کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ دہشت گردی کا جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو قربانیاں فوج کو ہی دینا ہوتی ہیں۔ لہٰذا دونوں طرف کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ صلح کر لیں اور دونوں طرف سے جو ظلم یا زیادتیاں ہوئی ہیں ان کی معافی مانگی جائے اور معاف کیا بھی جائے۔ پاکستان کی حکومت اور اسٹیبلشمنٹ کو احتیاطاً نظر رکھنی چاہیے کہ کہیں کوئی گروہ صلح کی آڑ میں ہمارے خلاف کوئی بڑا اقدام تو نہیں کرنا چاہتا، کسی دوسرے ملک کا کھیل تو نہیں کھیل رہا۔ ان چیزوں کو مدنظر رکھ کر مذاکرات کریں۔ اسلام کی تاریخ ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کو معاف کیا، اپنے چچا کے قاتلوں تک کو معاف کیا۔ اسی طرح فوج بھی ان سب گروہوں کو معاف کر دے اور ان کو مین اسٹریم میں جگہ دے۔ کیونکہ صلح ہمیشہ اچھی چیز ہوتی ہے۔ لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں لیکن بالآخر صلح کرنی پڑتی ہے۔

سوال: اگر پاکستان کے خلاف گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے تو ان حالات میں قوم کو کیا کرنا چاہیے؟

ایوب بیگ مرزا: ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ رہی ہے کہ ہمارے حکمران ہی قوم کے ساتھ مخلص نہیں تھے، جب تک حکمران مخلص نہیں ہوں گے تب تک کام نہیں بنے گا۔ وہ اپنے مفادات پر قوم کے مفادات کو ترجیح دیں۔ دوسری طرف عوام میں بھی بہت سہل پسندی آ چکی ہے، لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں بغیر محنت کے سب کچھ مل جائے اور ہمیں جفاکشی کرنی ہی نہ پڑے۔ اگر حکمران مخلص ہوں گے تو اس کا پہلا نتیجہ یہی نکلے گا کہ عوام ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ اپنا فرض ادا کرنے کے بعد اپنے حق کی خواہش کریں۔ حکومت عوام کے حقوق پر توجہ دے اور عوام اپنے فرائض پر توجہ دیں۔ اصل بات یہی ہے کہ ہمیں یہ نہیں فراموش کرنا چاہیے کہ پاکستان کی اسلام کے سوا کوئی بنیاد نہیں۔ صرف اسلام ہی وہ چیز ہے جس نے ہمیں جوڑ کر ایک قوم بنایا ہے اور اسلام ہی ہمیں متحد اور مضبوط کر سکتا ہے۔ اسلام کی بجائے اگر ہم کسی اور شے کو اپنی بنیاد بنائیں گے تو ہماری قومی عمارت مضبوط نہیں ہو سکے گی۔ پہلے بھی ملک اسی وجہ سے تقسیم ہوا کہ جب یہاں اسلام عملی طور پر نافذ ہی نہیں ہوا تو پھر بنگالیوں کے لیے بنگالی زبان تھی، اپنا رہن سہن تھا۔ لہٰذا وہ الگ ہو گئے۔ اب بھی اگر ہم پاکستان کو مستحکم اور مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ ہم نظریہ پاکستان کو مضبوط کریں اور نظریہ پاکستان یہی تھا کہ ہم یہاں اللہ کا دین نافذ کریں گے۔ ہمارے پڑوس میں ساری عالمی طاقتوں کو روند کر افغان طالبان کی اسلامی قائم ہو رہی ہے۔ اسی طرح ہم بھی اگر اللہ پر بھروسا کریں اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں تو ہم بھی بے یقینی کی صورتحال سے نکل آئیں گے، اللہ ہمارے لیے راستے پیدا فرما دے گا اور سپر پاور امریکہ پانی کی طرح بہہ جائے گا۔ ان شاءاللہ۔

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا بنتِ ملحان

فرید اللہ مروت

نبی کریم ﷺ کی جن جاں نثار صحابیات نے دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے عظیم خدمات انجام دیں اور اپنی جانیں قربان کیں۔ ان میں سے ایک حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔

سلسلۂ نسب

’’شہیدۃ البحر‘‘ کے لقب سے یاد کی جانے والی ان برگزیدہ صحابیہؓ کی کنیت ’’اُمِّ حرام‘‘ ہے۔ اصل نام پر اختلاف ہے، بعض نے ’’الرمیصاء‘‘ یا ’’الغمیصاء‘‘ بھی لکھا ہے۔ والدین کا تعلق مدینہ منورہ کے قبیلے، خزرج کے خاندان بنونجار سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دادا، جناب عبدالمطلب کی والدہ، سلمہ بنتِ عمرہ کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ چنانچہ بنونجار کے لوگ نبی کریم ﷺ سے جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یوں ہے۔ حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔

(طبقات ابنِ سعد، 8/470)

والدہ کا نام، ملیکہ تھا، جو مالک بن عدی بن زید بن منات بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی بیٹی تھیں۔ حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا، حضرت اُمِّ سلیم رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں، یوں وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہوئیں۔ حضرت اُمِّ سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ حرام رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کے دادا، جناب عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ کے بھائی کی پوتی تھیں۔ اس طرح یہ رسول اللہ ﷺ کی خالہ ہوئیں۔

نکاح

حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن قیس بن زید بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار سے ہوا، جن سے دو صاحبزادے، حضرت قیس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہوئے۔ شوہر، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور صاحبزادے، حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں اپنی بہادری اور شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ غزوۂ اُحد میں بھی اِس خاندان نے بھرپور طریقے سے حصہ لیا اور دونوں باپ بیٹا دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن کا ایک اور نامور صحابی، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت سے نکاح ہوا، جن سے ایک صاحبزادے، حضرت محمدؒ پیدا ہوئے۔

بھائی کی شہادت

شوہر اور بیٹے کی شہادت کے ایک سال بعد 4 ہجری میں بیرِ معونہ کے اندوہناک سانحے میں 70 صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، جن میں حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی، حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان بھی شامل تھے۔ ایک ہی سال میں تین جوان شہادتوں کا غم ناقابلِ برداشت تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنی خالہ کی دل جوئی کے لیے اُن کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

جہاد البحر کی بشارت

حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا کا قیام وادیٔ قباء میں تھا۔ حضور ﷺ کی اس گھرانے سے بہت انسیت تھی۔ آپؐ جب بھی مسجد قباء تشریف لاتے، تو قیام حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا ہی کے گھر فرماتے۔ وہیں کھانے سے فارغ ہوکر قیلولہ بھی کرتے۔ خالہ بھی آپ ﷺ کے آرام کا خیال رکھتیں اور دل وجان سے خدمت میں مصروف رہتیں۔ حجۃ الوداع کے بعد ایک دن آپؐ اُن کے گھر تشریف لائے۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد آرام فرمایا، کچھ دیر بعد مُسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ تو حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا ’’یارسول اللہ ﷺ! آپؐ کیوں تبسّم فرمارہے ہیں؟‘‘ ارشاد فرمایا ’’میری اُمّت کے کچھ لوگ اللہ کے راستے میں (جہاد کے لیے) سبز سمندر پر سوار ہورہے ہیں۔ اُن کی مثال (دنیا اور آخرت میں) تخت پر بیٹھے بادشاہوں کی سی ہے۔‘‘

اِس پر انہوں عرض کیا، ’’اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے لیے دُعا فرمادیجیے کہ اللہ مجھے بھی اُن میں شامل کر دے۔‘‘ آپؐ نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! انہیں بھی اُن لوگوں میں شامل کردے۔ آپ ﷺ دوبارہ آرام فرما ہوگئے اور کچھ دیر بعد پہلے کی طرح مُسکراتے ہوئے اُٹھے۔ حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا نے اِس مرتبہ بھی وہی سوال کیا، تو آپ ﷺ نے پہلے والی بات دُہرائی۔ اِس پر اُنھوں نے اپنی شرکت کے لیے دُعا کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا ’’اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا! تم سب سے پہلے لشکر میں شامل ہوگی (جو بحری راستے پر جہاد کرے گا) اور یہ کہ بعد والوں میں تمہاری شرکت نہیں ہے۔ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن اسود عنسی فرماتے ہیں کہ ’’مَیں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؓ کا قیام ساحلِ حمص پر اپنے ہی ایک مکان میں تھا۔

اُن کے ساتھ اُن کی اہلیہ، حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ہم سے اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ’’مَیں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ’’میری اُمّت کا پہلا لشکر جو دریائی سفر کرکے جہاد کے لیے جائے گا، اُس نے (اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت) واجب کرلی۔ مَیں نے کہا تھا ’’یارسول اللہ ﷺ! کیا مَیں بھی اُن کے ساتھ ہوں گی؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’ہاں، تم بھی اُن کے ساتھ ہوگی۔‘‘ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’میری اُمّت کا پہلا لشکر جو قیصر (رومیوں کے بادشاہ) کے شہر (قسطنطنیہ) پر چڑھائی کرے گا، اُن کی مغفرت ہوگی۔‘‘ مَیں نے کہا ’’مَیں بھی اُن کے ساتھ ہوں گی یارسول اللہ ﷺ؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’نہیں۔‘‘

(صحیح بخاری)

قیصروکسریٰ کا زوال

اسلام کے ابتدائی دنوں میں قیصروکسریٰ کی بادشاہتوں کے جاہ وجلال اور تکبر ورعونت کے پرچم دنیا کے ایک بڑے حصے پر لہرارہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو مدینے پر حملے کی تواتر کے ساتھ اطلاعات مل رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بناکر حاکمِ بصریٰ کی جانب روانہ کیا، لیکن راستے میں قیصرِ روم کے گورنر، شرجیل نے اُنہیں شہید کردیا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔

آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں تین ہزار صحابہؓ کا لشکر روانہ کیا، لیکن قیصرِ روم، ہرقل کی ٹڈی دَل فوج کے مقابلے میں کامیابی نہ ملی۔ غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ خود تشریف لے گئے، لیکن

قیصرِ روم مقابلے پر نہ آیا۔ رومن ایمپائر کی متواتر شرانگیزیوں کی بنا پر 11 ہجری میں آپ ﷺ نے حضرت اُسامہ بن زید ؓ کی امارت میں ایک بڑا لشکر رومیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ کی رحلت کی اطلاع پا کر وہ واپس آ گیا۔ سیّدنا ابوبکر صدیق ؓ نے خلیفہ بنتے ہی جیشِ اُسامہ ؓ کو روانہ کیا، جو کامیاب و کامران لوٹا۔ خلافتِ فاروقی ؓ میں قیصر و کسریٰ کی طاقتور ترین حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔

کسریٰ کی حکومت تو صفحۂ ہستی سے مِٹ گئی، البتہ قیصرِ روم دمشق، شام، حمص اور مصر وغیرہ سے دست بردار ہو کر قسطنطنیہ تک محدود ہو گیا۔ خلافتِ فاروقی ؓ کے آخری دَور میں قیصرِ روم نے قبرص کو اپنا بحری مرکز اور جنگی سامان کا صدر مقام بنا رکھا تھا۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے حضرت فاروقِ اعظم ؓ سے جزیرہ قبرص پر بحری حملے کی اجازت چاہی، لیکن اُنھیں بحری حملے کی اجازت دینے میں تامّل تھا۔

قبرص کے ساحل پر

یکم محرم 24 ہجری کو حضرت سیّدنا عمر ؓ کی شہادت کے بعد سیّدنا عثمان غنی ؓ خلیفہ منتخب ہوئے، تو آپؓ نے حضرت امیر معاویہ ؓ کو شام کے تمام اضلاع کا مستقل حاکم مقرر فرما دیا اور اُن کی درخواست پر قبرص پر بحری حملے کی مشروط اجازت دے دی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے قبرص پر حملہ کرنے کے لیے جو لشکر تیار کیا، اُس میں حضرت ابوذر غفاری ؓ، حضرت ابوالدرداء ؓ، حضرت شداد بن اوس ؓ، حضرت عبادہ بن صامت ؓ اور اُن کی اہلیہ، حضرت اُمِّ حرام ؓ بھی شامل تھے۔

(تاریخِ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی 1/409)

قبرص کی فتح

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان ؓ کی جانب سے اجازت ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہ ؓ نے ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کیا، تو حضرت اُمِّ حرام ؓ نے بھی جہاد پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اُن کے شوہر نے سمجھایا کہ بحری جنگ میں بہت زیادہ مشکلات اُٹھانی پڑتی ہیں، لیکن اُن کا کہنا تھا کہ ''حضور ﷺ نے مجھے اس پہلے بحری جہاد میں شرکت کی بشارت فرمائی تھی اور اسی شوق میں تو میں تمہارے ساتھ مدینے سے شام آئی ہوں۔''

چنانچہ اُنہیں بھی بحری جہاد میں شامل کر لیا گیا۔

28 ہجری کے شروع میں مسلمانوں نے جزیرہ قبرص پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ قیصرِ روم، قسطنطین مجاہدین کے اس طوفانی حملے کا مقابلہ نہ کر سکا۔ وہ قسطنطنیہ فرار ہوا اور وہاں فوت ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اُسے قبرص ہی میں قتل کر دیا گیا تھا۔ یوں پورے جزیرے پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

اُمِّ حرام کی وفات:

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُمِّ حرام ؓ نے بنتِ قرظ، حضرت معاویہ ؓ کی بیوی کے ساتھ دریا کا سفر کیا۔ پھر جب واپس ہوئیں اور اپنی سواری پر چڑھیں، تو اُس سے گر گئیں اور (اسی میں) اُن کی وفات ہو گئی۔

(صحیح بخاری، احادیث 2877,2878)

قبرص میں اُمِّ حرام ؓ کا مزار

بحیرۂ رُوم میں یورپ، مشرقِ وسطیٰ اور افریقا کے سنگم پر، تُرکی سے صرف 30 کلومیٹر کی دُوری پر ''قبرص'' نامی نہایت خُوب صورت جزیرہ ہے۔ یہ قدیم جزیرہ آج کل دو حصّوں میں تقسیم ہے۔ ایک یونانی قبرص اور دوسرا تُرک قبرص۔ شمالی علاقہ تُرک قبرص کہلاتا ہے، جہاں تُرکوں کی حکومت ہے۔ لارناکا (Larnaca) قبرص کا تیسرا بڑا شہر، تجارتی بندرگاہ اور سیاحتی مقام ہے۔ قبرص کا سب سے بڑا ایئرپورٹ بھی یہیں ہے۔ یہاں نمکین پانی کی ایک جھیل ہے، جس کے کنارے ایک خُوب صُورت مسجد اور ایک جلیل القدر صحابیہ ؓ کا مزار ہے، جو یہاں ''شہیدۃ البحر'' یعنی ''سمندری شہیدہ'' کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

قبرص میں کئی لاکھ تُرک مسلمان آباد ہیں۔ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں ''شہیدۃ البحر'' کی بڑی تعظیم ہے۔ اس مسجد اور مزار کی خُوب صورتی اور نظم و ضبط دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ غیر مسلم شہری بھی ان مقامات کا احترام کرتے ہیں۔

حاصلِ مطالعہ

انتہائی کٹھن حالات میں اور وسائل نہ ہونے کے باوجود صحابیات ؓ نے جنگ سے لے کر زمانۂ امن تک، زندگی کے ہر شعبے میں جو عظیم الشان اور محیّر العقول کارنامے سرانجام دیے، اُن کی مثال ترقی یافتہ دنیا کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔ بلاشبہ، بدی کی قوتوں کے زہریلے اثرات سے اپنے گھر، خاندان اور معاشرے کو نجات دِلانے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم ان عظیم صحابہ ؓ اور صحابیات ؓ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں اور ان کی ایمان افروز زندگیوں کے تذکرے سے اپنے ماحول کو معطر و منور کریں۔

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(30 ستمبر تا 04 اکتوبر 2021ء)

جمعرات (30 ستمبر) کو مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس میں آن لائن شرکت کی۔ بعد ازاں حیدرآباد جانا ہوا۔ وہاں پر مبتدی اور ملتزم تربیت گاہوں میں لیکچرز ہوئے۔ وہاں سے فراغت کے بعد کراچی واپسی ہوئی۔

جمعہ (یکم اکتوبر) کو جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔ شام کو معمول کی مصروفیات رہیں۔

ہفتہ (02 اکتوبر) کو دوپہر کی فلائٹ سے لاہور آنا ہوا۔ یہاں سے حلقہ بہاولنگر روانگی ہوئی۔ رات ہارون آباد میں قیام کیا۔

اتوار (03 اکتوبر) کو 90:00 بجے رفقاء سے ملاقات کی۔ سوال و جواب کا سیشن ہوا۔ بعد ظہر ذمہ داران سے ملاقات کی۔ بعد نماز عصر ایک صاحب علم اور ایک پروفیسر صاحب سے ملاقات کی۔ تحریک لبیک کے ایک ذمہ دار 25 لوگوں کے وفد کے ساتھ ملنے کے لئے آئے۔ ان سے پُرامن احتجاجی تحریک کے حوالے سے گفتگو رہی۔ عصر سے مغرب تک ملاقاتوں کا سلسلہ رہا۔ بعد نماز مغرب قرآن فہمی کورس (جو بعد نماز فجر ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا رہا) کے شرکاء میں تقسیم اسناد کا پروگرام ہوا۔ اس کے بعد ''دین اسلام کے تقاضے'' کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ عشاء سے قبل وہاں سے لاہور کے لیے روانگی ہوئی۔

پیر (04 اکتوبر) کو مرکز میں خصوصی مشاورتی اجلاس میں شرکت رہی۔ شام کو ایک رفیق افتخار سے ڈاکٹر غلام مرتضیٰ کے ہمراہ ملاقات ہوئی۔ بعد نماز عشاء مرکز کے رہائشی مرد و خواتین سے تذکیری گفتگو کی۔

نائب امیر سے تنظیمی امور کے حوالے سے آن لائن رابطہ رہا۔

تاریخ ساز مُدبّر

مولانا امین احسن اصلاحی

نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے جو دین بھیجا وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے، اسی طرح ہماری اجتماعی زندگی کا بھی دین ہے۔ جس طرح وہ عبادت کے طریقے بتاتا ہے، اسی طرح وہ سیاست کے آئین بھی سکھاتا ہے۔ اور جتنا تعلق اس کا مسجد سے ہے، اتنا ہی تعلق اس کا حکومت سے بھی ہے۔

یہ دین ہمارے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو بتایا اور سکھایا بھی، اور ایک وسیع ملک کے اندر اس کو عملاً جاری و نافذ بھی کردیا۔ اس وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی زندگی جس طرح بحیثیت ایک مزکّیٔ نفوس اور ایک معلمِ اخلاق کے ہمارے لیے اُسوہ اور نمونہ ہے، اسی طرح بحیثیت ایک ماہرِ سیاست اور مدبّرِ کامل کے بھی اُسوہ اور مثال ہے۔

اس امر واقعی سے ہر شخص واقف ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب قوم سیاسی اعتبار سے ایک نہایت پست حال قوم تھی۔ مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون نے تو ان کو ان کے مزاج کے اعتبار سے بھی ایک بالکل غیر سیاسی قوم قرار دیا ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو اس رائے سے پورا پورا اتفاق نہ ہو، تاہم اس حقیقت سے تو کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ اہل عرب اسلام سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہیں ہوئے، بلکہ ہمیشہ ان پر نزاع اور انارکی کا تسلط رہا۔ پوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا مجموعہ تھی۔ جس کی ساری قوت اور صلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہوتی تھی۔ اتحاد، تنظیم، شعورِ قومیت اور حکم و اطاعت وغیرہ جیسی چیزیں، جن پر اجتماعی اور سیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں، ان کے اندر یکسر مفقود تھیں۔ ایک خاص بدویانہ حالت پر صدیوں تک زندگی گزارتے گزارتے ان کا مزاج نزاع پسندی کے لیے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ ان کے اندر وحدت و مرکزیت پیدا کرنا ایک امر محال بن چکا تھا۔ خود قرآن نے ان کو قومًا لُدًّا کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس کے معنی جھگڑالو قوم کے ہیں۔ اور ان کی وحدت و تنظیم کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِہِمْ﴾ (الانفال:63) ’’اگر تم زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ نہیں سکتے تھے۔‘‘

لیکن نبی کریم ﷺ نے 23 سال کی قلیل مدت میں اپنی تعلیم و تبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ پوری قوم ایک بُنیانِ مرصوص بن گئی۔ یہ صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہوگئی بلکہ اس کے اندر سے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزاع و اختلاف بھی ایک ایک کر کے دور ہوگئے۔ یہ صرف اپنے ظاہر ہی میں متحد و مربوط نہیں ہوگئی، بلکہ اپنے باطنی عقائد و نظریات میں بھی بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہوگئی۔ یہ صرف خود ہی منظم نہیں ہوگئی، بلکہ اس نے پوری انسانیت کو بھی اتحاد و تنظیم کا پیغام دیا۔ اور اس کے اندر حکم و اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں اُبھر آئیں کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں، بلکہ واقعات کی زبان میں، یہ قوم شتر بانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر پہنچ گئی۔ اور اس نے بلا استثنا دنیا کی ساری ہی قوموں کو سیاست، اور جہاں بانی کا درس دیا۔

اس تنظیم و تالیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بالکل اصولی اور انسانی تنظیم تھی۔ اس کے پیدا کرنے میں حضور ﷺ نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اُٹھایا، نہ قومی حوصلوں کی انگیخت سے کوئی کام لیا، نہ دنیوی مفادات کا کوئی لالچ دلایا، نہ کسی دشمن کے ہوّے سے لوگوں کو ڈرایا۔ دنیا میں جتنے بھی چھوٹے بڑے مدبر اور سیاستداں گزرے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل میں انہی محرکات سے کام لیا ہے۔ اگر حضور ﷺ بھی ان چیزوں سے فائدہ اُٹھاتے تو یہ بات آپؐ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی۔ لیکن آپؐ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا، بلکہ ان میں سے ہر چیز کو فتنہ قرار دیا۔ اور ہر فتنے کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی۔ آپؐ نے اپنی قوم کو صرف خدا کی بندگی اور اطاعت، عالمگیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل و انصاف، اعلائے کلمۃ اللہ اور خوفِ آخرت کے محرکات سے جگایا۔ یہ محرکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے۔ اس وجہ سے آپؐ کی مساعی سے دنیا کی قوموں میں صرف ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ ایک بہترین اُمت ظہور میں آئی، جس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے:

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ (آل عمران:110)

’’تم دنیا کی بہترین اُمت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے اُٹھائے گئے۔‘‘

حضور ﷺ کی سیاست اور حضورؐ کے تدبر کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ جن اصولوں کے داعی بن کر اُٹھے، اگرچہ وہ فرد، معاشرہ، اور قوم کی ساری زندگی پر حاوی تھے، اور انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ ان کے احاطے میں آتا تھا، لیکن آپؐ نے اپنے کسی اُصول کے معاملے میں کبھی کوئی لچک قبول نہیں فرمائی۔ نہ دشمن کے مقابل میں نہ دوست کے مقابل میں۔ آپؐ کو سخت سے سخت حالات سے سابقہ پیش آیا۔ ایسے سخت حالات سے کہ لوہا بھی ہوتا تو ان کے مقابل میں نرم پڑ جاتا۔ لیکن آپؐ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپؐ نے کسی سختی سے دب کر کسی اُصول کے معاملے میں کوئی سمجھوتا گوارا نہیں کیا۔

اسی طرح آپؐ کے سامنے پیش کشیں بھی کی گئیں۔ اور آپؐ کو مختلف قسم کی دینی اور دنیوی مصلحتیں بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ان چیزوں میں سے کوئی چیز آپؐ کو متاثر یا مرعوب نہ کرسکی۔ چنانچہ آپؐ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات اپنی جگہ پر پتھر کی لکیر کی طرح ثابت و قائم تھی۔ دنیا کے مدبروں اور سیاستدانوں میں سے کسی ایسے مدبر اور سیاستدان کا نشان آپ نہیں دے سکتے جو اپنے دو چار اصولوں کو بھی دنیا میں برپا کرنے میں اتنا مضبوط ثابت ہوسکا ہو کہ اس کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ اس نے اپنے کسی اصول کے معاملے میں کمزوری نہیں دکھائی یا

ٹھوکریں نہیں کھائیں۔ لیکن حضور ﷺ نے ایک پورا نظامِ زندگی کھڑا کر دیا، جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے زمانہ کے مذاق اور رُجحان سے اتنا بے جوڑ تھا کہ وقت کے مُدبّرین اور ماہرینِ سیاست اس انوکھے نظام کے پیش کرنے کے سبب سے حضور ﷺ کو نعوذ باللہ دیوانہ کہتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ نے اس نظامِ زندگی کو عملاً دنیا میں برپا کر کے ثابت کر دیا کہ جو لوگ آپؐ کو دیوانہ سمجھتے تھے، خود دیوانے تھے۔ صرف یہی نہیں کہ حضور ﷺ نے کسی ذاتی مفاد یا مصلحت کی خاطر اپنے کسی اصول میں کوئی ترمیم نہیں فرمائی، بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کے لیے بھی اپنے اُصولوں کی قربانی نہیں دی۔ اصولوں کے لیے جان اور مال اور دوسری تمام محبوبات کی قربانی دی گئی۔ ہر طرح کے خطرات برداشت کیے گئے اور ہر طرح کے نقصانات گوارا کیے گئے لیکن اصول کی ہر حال میں حفاظت کی گئی۔ اگر کوئی بات صرف خاص مدت تک کے لیے تھی، تو اس کا معاملہ اور تھا۔ وہ اپنی مدت پوری کر چکنے کے بعد ختم ہوگئی یا اس کی جگہ اس سے بہتر کسی دوسری چیز نے لے لی۔ لیکن باقی رہنے والی چیزیں ہر حال میں اور ہر قیمت پر باقی رکھی گئیں۔ آپؐ کو اپنی زندگی میں یہ کہنے کی نوبت نہیں آئی کہ میں نے دعوت تو دی تھی فلاں اصول کی لیکن اب حکمتِ عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر اس کی جگہ پر فلاں بات بالکل اس کے خلاف اختیار کر لی جائے۔

حضور ﷺ کی سیاست اس اعتبار سے بھی دنیا کے لیے ایک نمونہ اور مثال ہے کہ آپؐ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ جانتے ہیں کہ سیاست میں وہ بہت سی چیزیں مباح، بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن سمجھی جاتی ہیں، جو شخصی زندگی کے کردار میں مکروہ اور حرام قرار دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی کسی ذاتی غرض کے لیے جھوٹ بولے، چالبازیاں کرے، عہد شکنیاں کرے، لوگوں کو فریب دے، یا ان کے حقوق غصب کرے، تو اگرچہ اس زمانے میں اقدار اور پیمانے بہت کچھ بدل چکے ہیں، تاہم اخلاق بھی ان چیزوں کو معیوب ٹھہراتا ہے، اور قانون بھی ان باتوں کو جرم قرار دیتا ہے۔ لیکن اگر ایک سیاستدان اور ایک مدبر یہی سارے کام کرے تو یہ اس کے فضائل اور کمالات میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کی زندگی میں بھی اس کے اس طرح کے کارناموں پر اس کی تعریفیں ہوتی ہیں۔ اور مرنے کے بعد بھی اپنے انہی کمالات کی بنا پر وہ اپنی قوم کا ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ سیاست کے لیے یہی اوصاف و کمالات عرب جاہلیت میں بھی ضروری سمجھے جاتے تھے، اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ ان باتوں میں شاطر ہوتے، وہی لوگ اُبھر کر قیادت کے مقامات پر آتے تھے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ درس دیا کہ ایمانداری اور سچائی جس طرح انفرادی زندگی کی بنیادی اخلاقیات میں سے ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لوازم میں سے بھی ہے۔ بلکہ آپؐ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلے میں ایک صاحبِ اقتدار اور بادشاہ کے جھوٹ کو جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، کہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔

آپؐ کی پوری سیاسی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اس سیاسی زندگی میں وہ تمام مراحل آپؐ کو پیش آئے جن کے پیش آنے کی ایک سیاسی زندگی میں توقع کی جا سکتی ہے۔ آپؐ نے ایک طویل عرصہ نہایت مظلومیت کی حالت میں گزارا۔ اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ آپؐ نے اقتدار اور سلطنت کا گزارا۔ اس دوران میں آپؐ کو حریفوں اور حلیفوں دونوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور اقتصادی معاہدے کرنے پڑے۔ دشمنوں سے متعدد جنگیں کرنی پڑیں۔ عہد شکنی کرنے والوں کے خلاف جوابی اقدامات کرنے پڑے۔ قبائل کے وفود سے معاملے کرنے پڑے۔ آس پاس کی حکومتوں کے وفود سے سیاسی گفتگوئیں کرنی پڑیں، اور سیاسی گفتگوؤں کے لیے اپنے وفود ان کے پاس بھیجنے پڑے۔ بعض بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی اقدامات کرنے پڑے۔ یہ سارے کام آپؐ نے انجام دیئے۔ لیکن دوست اور دشمن ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپؐ نے کبھی کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ اپنی کسی بات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ کوئی بات کہہ چکنے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا۔ کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ حلیفوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا اور دشمنوں کے ساتھ بدتر سے بدتر حالات میں بھی انصاف کیا۔ اگر آپ دنیا کے مُدبّرین اور اہلِ سیاست کو اس کسوٹی پر جانچیں تو میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کو بھی آپ اس کسوٹی پر کھرا نہ پائیں گے۔ پھر یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ سیاست میں عبادت کی سی دیانت اور سچائی قائم رکھنے کے باوجود حضور ﷺ کو اپنی سیاست میں کبھی کسی ناکامی کا تجربہ نہیں کرنا پڑا۔ اب اس چیز کو چاہے تدبر سے تعبیر کیجیے یا حکمتِ نبوت سے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک نئے طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھا، جس میں دنیوی کرّوفر کی بجائے خلافتِ الٰہی کا جلال اور ظاہری ٹھاٹ باٹ کی جگہ خدمت اور محبت کا جمال تھا

حضور ﷺ کی سیاست، حضور ﷺ کے تدبر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپؐ نے عرب جیسے ملک کے ایک ایک گوشے میں امن و عدل کی حکومت قائم کر دی۔ کفار و مشرکین کا زور آپؐ نے اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر فی الواقع انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ یہود کی سیاسی سازشوں کا بھی آپؐ نے خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کی سرکوبی کے لیے بھی آپؐ نے انتظامات فرمائے۔ یہ سارے کام آپؐ نے کر ڈالے۔ لیکن اس سارے کام کے اندر انسانی خون بہت کم بہا۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے کی تاریخ بھی شہادت دیتی ہے، اور آج کے واقعات بھی شہادت دے رہے ہیں، کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے انقلاب میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور مال و اسباب کی بربادی کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا، لیکن نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب برپا ہوا، اس کی عظمت اور وسعت کے باوجود شاید ان نفوس کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہوگی، جو اس ساری جدوجہد کے دوران حضور ﷺ کے ساتھیوں میں شہید ہوئے یا مخالف گروہ کے آدمیوں میں سے قتل ہوئے۔

پھر یہ بات بھی غایت درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ دُنیا کے معمولی معمولی انقلابات میں ہزاروں، لاکھوں آبروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اربابِ سیاست اس صورتِ حال پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے اس کو ہر انقلاب کا ایک ناگزیر نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جو انقلاب رونما

ہوا، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا کہ کسی کی ناموس پر دست درازی ہوئی ہو۔

اہلِ سیاست کے لیے طمطراق بھی سیاست کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ عوام کو ایک نظام میں پرونے اور ایک نظمِ قاہرہ کے تحت منظم کرنے کے لیے اُٹھتے ہیں، وہ بہت سی باتیں اپنوں اور بیگانوں پر اپنی سطوت جمانے اور اپنی ہیبت قائم کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ان کی سیاسی زندگی کے لازمی تقاضوں میں سے ہیں۔ اگر وہ یہ باتیں نہ اختیار کریں گے تو سیاست کے جو تقاضے ہیں وہ ان کے پورے کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔ اسی طرح کے مقاصد کے پیشِ نظر جب وہ نکلتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کے جلو میں چلتے ہیں۔ جہاں وہ ظاہر ہوتے ہیں، ان کے نعرے بلند کرائے جاتے ہیں۔ جہاں وہ اترتے ہیں، ان کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔ جلسوں میں ان کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ جب وہ مزید ترقی کر جاتے ہیں تو ان کے لیے قصر و ایوان آراستہ کیے جاتے ہیں۔ ان کو سلامیاں دی جاتی ہیں۔ ان کے لیے بری و بحری اور ہوائی، خاص سواریوں کے انتظامات کیے جاتے ہیں۔ جب کبھی وہ سڑک پر نکلنے والے ہوتے ہیں تو سڑک دوسروں کے لیے بند کر دی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں اِن چیزوں کے بغیر کسی صاحب سیاست کا تصور نہ دوسرے لوگ ہی کرتے ہیں اور نہ کوئی صاحبِ سیاست ان لوازم سے الگ خود اپنا کوئی تصور کرتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ اس اعتبار سے بھی دنیا کے تمام اہلِ سیاست سے الگ رہے۔ جب آپؐ نے اپنے صحابہ ؓ میں چلتے تو کوشش فرماتے کہ سب کے پیچھے چلیں۔ مجلس میں تشریف رکھتے تو اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے تو دو زانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں، اور جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے اسی طرح میں بھی کھانا کھاتا ہوں۔ ایک مرتبہ ایک بدو اپنے اس تصور کی بنا پر، جو حضور ﷺ کے بارے میں اس کے ذہن میں رہا ہوگا، سامنے آیا تو حضور ﷺ کو دیکھ کر کانپ گیا۔ آپؐ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈرو نہیں، میری ماں بھی سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یعنی جس طرح تم نے اپنی ماں کو بدویانہ زندگی میں سوکھا گوشت کھاتے دیکھا ہوگا، اسی طرح سوکھا گوشت کھانے والی ایک ماں کا بیٹا میں بھی ہوں۔ نہ آپؐ کے لیے کوئی خاص سواری تھی۔ نہ کوئی خاص قصر و ایوان اور نہ کوئی خاص باڈی گارڈ تھا۔ آپؐ جو لباس دن میں پہنتے اسی میں شب میں استراحت فرماتے، اور تمام اہم سیاسی امور کے فیصلے فرماتے۔

یہ خیال نہ فرمایئے کہ بدویانہ زندگی میں سیاست اس طمطراق اور اس ٹھاٹ باٹ سے آشنا نہیں ہوئی تھی، جس طمطراق اور جس ٹھاٹ باٹ کی اب وہ عادی ہوگئی ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں، ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ سیاست اور اہلِ سیاست کی تانا شاہی ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔ فرق اگر ہوا ہے تو محض بعض ظاہری باتوں میں ہوا ہے۔ البتہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ایک نئے طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھا، جس میں دنیوی کروفر کی بجائے خلافتِ الٰہی کا جلال اور ظاہری ٹھاٹ باٹ کی جگہ خدمت اور محبت کا جمال تھا۔ لیکن اس سادگی، فقر اور درویشی کے باوجود اس کے دبدبے اور اس کے شکوہ کا یہ عالم تھا کہ روم و شام کے بادشاہوں پر اس کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کی سیاست اور آپؐ کے تدبر کا ایک اور پہلو بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ آپؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی جماعت بھی تربیت کر کے تیار کر دی جو آپؐ کے پیدا کردہ انقلاب کو اس کے اصلی مزاج کے مطابق آگے بڑھانے، اس کو مستحکم کرنے اور اجتماعی و سیاسی زندگی میں اس کے مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لیے پوری طرح اہل تھے۔ چنانچہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس انقلاب نے عرب سے نکل کر آس پاس کے دوسرے ممالک میں قدم رکھا، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کرۂ ارض کے تین براعظموں میں اس نے اپنی جڑیں جمالیں۔ اور اس کی اس وسعت کے باوجود اس کی قیادت کے لیے موزوں اشخاص رجال کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے جن تین براعظموں کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کے متعلق یہ حقیقت بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے اندر وحشی قبائل آباد نہیں تھے، بلکہ وقت کی نہایت ترقی یافتہ جبار و قہار شہنشاہتیں تھیں۔ لیکن اسلامی انقلاب کی موجوں نے جزیرۂ عرب سے اُٹھ کر ان کو ان کی جڑوں سے اس طرح اکھاڑ کر پھینکا گویا زمین میں ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں تھی۔ اور اُن کے ظلم و جور کی جگہ ہر گوشے میں اسلامی تہذیب و تمدن کی برکتیں پھیلا دیں۔ جن سے دنیا صدیوں تک متمتع ہوتی رہی۔

دنیا کے تمام مُدبّرین اور اہلِ سیاست کی پوری فہرست پر نگاہ ڈال کر غور کیجیے کہ ان میں کوئی شخص بھی ایسا نظر آتا ہے، جس نے اپنے دو چار ساتھی بھی ایسے بنانے میں کامیابی حاصل کی ہو جو اس کے فکر و فلسفے اور اس کی سیاست کے ان معنوں میں عالم اور عامل رہے جن معنوں میں رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے عالم و عامل ہزاروں صحابہؓ تھے؟

آخر میں ایک بات بطور تنبیہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کا اصلی مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ آپؐ نبیٔ خاتم اور پیغمبرِ عالم ہیں۔ سیاست اور تدبر اس مرتبۂ بلند کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ جس طرح ایک حکمران کی زندگی پر ایک تحصیلدار کی زندگی کے زاویے سے غور کرنا ایک بالکل ناموزوں بات ہے، اس سے زیادہ ناموزوں بات شاید یہ ہے کہ ہم سید کونین ﷺ کی زندگی پر ایک ماہر سیاست یا ایک مدبر کی زندگی کی حیثیت سے غور کریں۔ نبوت و رسالت ایک عظیم عطیۂ الٰہی ہے۔ جب یہ عطیہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بخشتا ہے، تو وہ سب کچھ اس کو بخش دیتا ہے، جو اس دنیا میں بخشا جا سکتا ہے۔ پھر حضور ﷺ تو صرف نبی ہی نہیں تھے، بلکہ خاتم الانبیاء تھے۔ صرف رسول ہی نہیں تھے، بلکہ سید الرُّسل تھے۔ صرف اہلِ عرب ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اور آپؐ کی تعلیم و ہدایت صرف کسی خاص مدت ہی کے لیے نہیں تھی، بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی تھی۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ حضور ﷺ کسی دین رہبانیت کے داعی بن کر نہیں آئے تھے، بلکہ ایک ایسے دین کے داعی تھے، جو رُوح اور جسم دونوں پر حاوی اور دُنیا و آخرت دونوں کے حسنات کا ضامن تھا۔ جس میں عبادت کے ساتھ سیاست، درویشی کے ساتھ حکمرانی کا جوڑ محض اتفاق سے پیدا نہیں ہو گیا تھا، بلکہ یہ عین اس کی فطرت کا تقاضا تھا۔ جب صورت حال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے بڑا سیاستدان اور مدبر کون ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ چیز آپؐ کا اصلی کمال نہیں، بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا، آپؐ کے فضائل و کمالات کا محض ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ ❀❀

......زندگی کوفیوں میں گزری ہے!

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

28 مئی 1998ء، وہ مبارک دن جب (زوج محترم کے) ایک غیر ملکی مسلم شاگرد نے خوشی سے لرزتی آواز میں فون کر کے مبارکباد دی کہ پاکستان نے کامیاب ایٹمی دھماکے کر دیے! یہ خوشی طویل عرصے کے بعد پاکستان کو ملنے والی حقیقی بے مثل خوشی تھی جس کی لہر پوری مسلم دنیا میں پھیل گئی۔ پاکستان کے ایٹمی قوت بن جانے پر عالم اسلام نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر کھل اٹھا! مسلم اخوت کے اس بے اختیار احساس واظہار نے دنیائے کفر میں غم وغصے، جلن کڑھن کے جوار بھاٹے اٹھا دیے۔ امریکا سے لے کر اسرائیل و بھارت تک! یہی وجہ تھی کہ اسرائیل کا ذخیرہ ہائے ایٹم بم ''یہودی بم'' اور بھارت کے ''ہندو بم'' نہ کہلائے مگر پاکستان کی ایٹمی صلاحیت نے فوراً کلمہ پڑھا اور دنیا نے اسے ''اسلامی بم'' کہا۔ اسلاموفوبیا تو اتنا ہی پرانا ہے جتنی حق وباطل کی کشمکش پرانی ہے۔ ازلی ابدی! پاکستان تحفظ پا گیا۔ ہماری سرحد پر دانت گاڑے دشمن کے ایٹمی دھماکوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ ہم پر چڑھائی کر گزرنے پر کمربستہ بھارت جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ 1971ء میں آدھا ملک آبادی کا بڑا حصہ کٹ جانے اور معیشت کے دھچکے کے بعد یہ ایک معجزہ تھا۔ تیسری دنیا کا دبا پسا، دشمنوں کے نرغے میں پھنسا پاکستان یکایک دنیا کے بڑے ایٹمی چودھریوں کے برابر ساتویں ایٹمی قوت بن کر آن کھڑا ہوا۔ یہ میرے رب کی مشیت تھی۔ پاکستان کا قیام معجزہ تھا، اس کی سلامتی کے درپے قوتوں کے علی الرغم اس کی بقا بھی معجزہ رہی۔ لوٹنے والوں نے اسے اتنا لوٹا کہ بدعنوانیوں کے ریکارڈ مسلسل ٹوٹتے رہے۔ اس کے باوجود رب تعالیٰ ہمیں نوازتا رہا۔ بقول مختار مسعود: بڑے آدمی انعام کے طور پر دیے جاتے ہیں اور سزا کے طور پر اٹھا لیے جاتے ہیں۔ اللہ نے اسلام و پاکستان سے شیفتگی رکھنے والا سائنس دان ہمیں عطا کیا جس نے پوری دلسوزی اور دردمندی سے ان تھک محنت کی۔ سٹیلائٹ سے ہمیں جھانکتے تاکتے رہنے والے اندر باہر سے مخبریاں کرنے کروانے والے (ملک غداروں، میر جعفروں میں سدا سے خود کفیل رہا ہے) سب منہ تکتے رہ گئے! اللہ کے اذن سے پھر یہ ثابت ہوا ؎

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے!

جیسے آج دنیا میں طالبان اچانک رونما ہو گئے۔ دنیا یقین نہیں کر پا رہی، عین اسی طرح ایٹم بم کی بو سونگھتے پھرتے، حاسدین عالم، مگر دھماکے ہو کر رہے! دشمن ہاتھ ملتے رہ گئے۔ یقیناً اس میں ذوالفقار علی بھٹو کو اللہ نے (قادیانی مسئلے ہی کی طرح) اس بات پر یکسو کر دیا تھا کہ ہم گھاس کھا لیں گے مگر ایٹم بم بنا کر رہیں گے۔ قادیانی لابی کی تمام تر حوصلہ شکنیوں، ایٹمی صلاحیت کے اندرونی دشمنوں کی سبھی چالبازیوں کے بیچ جس فرد کی استقامت، توکل علی اللہ اور پاکستان کو مضبوط کر دینے کے عزم نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا، وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہی تھے۔ اس پر سی آئی اے چیف کی گواہی موجود ہے!

ایٹمی صلاحیت پر تلملاتے مغرب کو بہانہ درکار تھا۔ سو وہ میسر آنے کی دیر تھی کہ 2001ء کے بعد بن جانے والی عالمی فضا میں امریکا پاکستان کے درپے ہو گیا۔ پاکستان کی کم نصیبی کہ اسے یہاں پرویز مشرف جیسا فدوی میسر تھا۔ چنانچہ سی آئی چیف نے پرویز مشرف کو یہ کہہ کر ڈاکٹر خان کو شکنجے میں لانے کو کہا کہ یہ وہ واحد شخص ہے جس نے پاکستان کو ایٹمی طاقت بنا ڈالا۔ 2003ء میں یہ المیہ قوم نے دیکھا کہ محسن پاکستان، بابائے ایٹمی قوت کو 'قومی مجرم' بنا کر ٹیلی ویژن پر قوم کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ ایران، لیبیا اور شمالی کوریا کو خفیہ طور پر ایٹمی صلاحیت بیچنے کا جرم تنہا ڈاکٹر عبدالقدیر کے ذمے ڈال کر قربانی کا بکرا دنیا کو پیش کر دیا۔ جو معافی یحییٰ خان یا نیازی نے قوم سے نہ مانگی (اور یہ فہرست بہت طویل ہے جو منتظر ہے اب یوم الدین ہی کی) وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر دن رات ایک کر کے پاکستان کو محفوظ مستقبل دینے کے مجرم کے حصے آئی۔ تف بر تو...... دردمند پاکستانی دم بخود، غم زدہ بہ چشم نم اس انہونی کو دیکھتے رہ گئے۔ قومی ہیرو کو زیرو اور زیرو کو سرخرو کرنے کا یہ دور ناسپاس ہم نے بھگتا۔ وہ غم طول پکڑتا گیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر کو پرویز مشرف کی طرف سے معافی دینے کی ایک مزید ذلت دینے کے بعد گھر میں نظر بند کر دیا۔ 2009ء میں عدالت نے اگرچہ نظر بندی ختم کی مگر ان کی آزادی بحال نہ ہو سکی۔ سیکورٹی کے پردے میں انہیں پابند ہی رکھا گیا۔ 2008ء میں AFP کو انٹرویو دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا: میں نے دو مرتبہ ملک بچایا ایٹمی قوت بنا کر اور دوسری مرتبہ سارا الزام اپنے کندھوں پر لے کر۔ 'جس پر احسان کرو اس کے شر سے بچو' والا سیدنا حضرت علی ؓ کا قول حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا۔ جھوٹے پروپیگنڈوں کے طومار اس پر مستزاد رہے۔ پیسہ بنانے، جائیدادیں خریدنے کے سبھی الزامات چھوڑے گئے تاکہ انہیں متنازع رکھا جا سکے اور حکمرانوں کے غلط فیصلے جواز پا سکیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی پنشن پہلے 4,466 روپے تھی، پھر 19 ہزار کر کے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری گئی۔ بعد ازاں اسپیشل پنشن کا آغاز ہوا جب دیکھا کہ بینک اکاؤنٹ خالی اور بہن بھائیوں سے لے کر کھانے کی نوبت آ گئی ہے۔

قوم اور سیاسی جماعتیں اس تغافل کے جرم پر سبھی قابل گرفت ہیں۔ یہ قوم محسن کش ہے۔ بانیٔ پاکستان خراب ایمبولینس میں کراچی کے حبس دم والی گرمی میں راستے میں نقل مکانی فرما گئے۔ جب بہن بے بسی سے قائد اور بانی کے منہ پر سے ہاتھ کے پنکھے سے مکھیاں ہٹا رہی تھی! اور اب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے جنازے پر پوری ملکی قیادت، سیاسی قیادت غائب تھی کلیتاً۔ دو قدم پر بیٹھے صدر، وزیراعظم، کابینہ کے ارکان، مقتدرین اعلیٰ سبھی زبانی جمع خرچ کے سوا شامل نہ ہوئے بس ٹوئیٹس اور پھول چڑھانے پر اکتفا کیا جس کے وہ محتاج نہ تھے۔ پوری مقتدرہ چند قدم پر بیٹھی رہی! قبل ازیں شدید بیماری میں کسی نے مزاج پرسی تک نہ کی جس کا انہوں نے شکوہ بھی کیا۔

تحفظات کیا تھے؟ ایٹم بم پر دنیا کے سامنے شرمساری کا اظہار؟ IMF , FATF کے لالے پڑنے کا خوف؟ امریکی نائب وزیر خارجہ جو ابھی تکبر ونخوت میں ڈوبی بھارت میں ہماری تحقیر کرتی پاکستان سے ہوگزری اس کی پرچھائیں سے ڈر کر؟ اس سے پہلے پاکستان نے قائداعظم کی وفات پر یہ منظر دیکھا تھا کہ ملک کے قادیانی وزیر خارجہ نے بانیٔ پاکستان کی نماز جنازہ میں (علی الاعلان) شرکت نہیں کی تھی۔ چلیے ان سب کی موجودگی سے ڈاکٹر صاحب محفوظ رہے اور عامۃ الناس جن کی محبت، عقیدت بھری دعائے مغفرت کے اخلاص بھرے سائے میں وہ رخصت ہوئے، اللہ کے حضور ان کے لیے گواہیاں اپنے عوام کی جائیں گی جن کی خاطر کلفت کاٹی، آزمائشوں سے گزرے، جو ایٹمی قوت بنا دینے کی پاداش میں کتنا عرصہ چند قدم پر رہنے والی بیٹی اور نواسیوں کی دید سے بھی محروم رکھے گئے۔ جب ان سے شہاب الدین غوری کے مزار پر سوال کیا گیا کہ اس کی تعمیر میں دلچسپی کی وجہ کیا تھی تو کہنے لگے: آپ کا ہیرو رنجیت سنگھ ہے اور ہمارا شہاب الدین غوری ہے! سو رنجیت سنگھیے جنازے پر نہ آئے تو مضائقہ ہی کیا ہے! اللہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی مغفرت فرمائے، ان کی محنت قبول فرمائے (آمین)

گزر تو خیر گئی ہے تری حیات قدیر
ستم ظریف مگر کوفیوں میں گزری ہے

مسلم مملکت کے دفاع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ان کا مقدر ہو: اللہ ایک تیر کی بدولت تین افراد کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ تیر بنانے والا جو نیکی کے ارادے سے بنائے۔ مجاہد کو تیر فراہم کرنے والا اور تیر چلانے والا۔ سو بقدر ایٹم بم اجر اللہ تعالیٰ اس حدیث پاک کی روشنی میں انہیں عطا فرمائے (آمین)۔ اللہ نے حکماً ارشاد فرمایا ”اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں اور دوسرے اعداء کو خوفزدہ کردو۔ جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ظلم نہ ہوگا۔“ (الانفال:60)

اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ ہم نے گھاس کھائے بغیر قوت حاصل کر لی۔ تاہم حکمرانوں نے بم کے خالق کو گھاس کھلانے کی کوشش کر ڈالی۔ بعدازاں ہماری معاشی بدحالی ساری حکمرانوں کی اشرف غنی و افغان کٹھ پتلی حکومت والی بدعنوانیوں کی بنا پر ہے۔ ان کی آف شوریوں، بیرون ملک جائیدادوں، فارم ہاؤسوں نے ملک کھوکھلا کر ڈالا۔ قوم کے نوجوانوں سے رول ماڈل، نمونہ ہائے عمل الگ چھین لیے گئے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا نام میلا کر کے کھلاڑی شوبز کے نچنیے گویے بھانڈ لا سجائے۔ سو 20 سالوں میں پلنے بڑھنے والی نسل ٹک ٹاکر ریموں نما ہے۔ اعلیٰ اخلاق و کردار، محنت، اولوالعزمی، پامردی عنقا ہے!

اپنے اطراف میں دیکھوں تو مجھے لگتا ہے!
قبل بعثت کا زمانہ ہے، زمانہ میرا!

❁❁❁

ضرورت رشتہ

☆ راولپنڈی سے تعلق رکھنے والے رفیق تنظیم، ملازمت پیشہ، نابینا کے لیے دینی مزاج کی حاصل ترجیحاً راولپنڈی سے تعلق رکھنے والی میٹرک / ایف اے لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0315-5149291

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ حلقہ لاہور غربی، چوہنگ تنظیم کے رفیق شفیع الرحمٰن وفات پا گئے۔

☆ حلقہ گوجرانوالہ، وزیر آباد کے ملتزم رفیق مستنصر حسین چیمہ کے والد وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0300-7165300

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی، پشاور صدر کے رفیق محترم فہد علی کے والد وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0313-9835034

☆ حلقہ سرگودھا غربی کے نقیب اسرہ ظفر اقبال لاہڑی کے والد وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0302-8150414

☆ حلقہ ملتان، ڈیرہ غازی خان کے رفیق ولی محمد لودھی کے والد وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0302-8733006

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

رسول اکرم ﷺ کی عظمت، آپ ﷺ کے مقصد بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرت نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 600 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 350 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: 3-042-35869501
maktaba@tanzeem.org

Getting Afghanistan Wrong Again

It is quite revealing to note that the defeated power (the US) is demanding that the victors (Taliban) must establish a government in Afghanistan approved by the vanquished. The rest of the world is also parroting this ludicrous demand. Since the Taliban are already fulfilling their pledge to not allow Afghan territory to be used for terrorist activities against others, the two oft-repeated demands made of them now are: an "inclusive government" and protecting the "rights of women".

Let us deconstruct both demands.

By an "inclusive government", the US and others mean that those Afghans that had collaborated with the occupiers and pocketed hundreds of millions of dollars should be included in the Taliban-led government. Can anything be more absurd than that?

Consider the US presidential election of 2020 in which Joe Biden secured 78 million votes to Donald Trump's 74 million. Imagine if Biden was told to include people like Mike Pompeo and Rudy Giuliani in his cabinet in order to make it "inclusive". How about throwing in some QAnon boys and Trump's "talented" son-in-law Jared Kushner into the mix? Would that be a reasonable demand in a country claiming to be the "largest democracy" in the world?

If that is not acceptable, on what basis are the Taliban being asked to include collaborators in their government? Before Taliban fighters entered the Panjshir Valley, they offered talks to the rebels to resolve the dispute peacefully. Ahmed Masood demanded one-third of cabinet posts in the new government. For people that had collaborated with foreign occupiers (traitors in common parlance) to make such a demand defies all logic. Why should the Taliban expose themselves to traitors whose loyalties are still with the alien invaders?

Let us also consider the issue of the rights of women. There is absolutely no dispute or question about respecting their rights. Islam guarantees those rights and these must be fully protected and respected. But what precisely is meant by the "rights of women" in the context of Afghanistan?

Over the 20-year period of occupation, there emerged a class of women in the few urban centers, especially Kabul that imbibed all the Western cultural norms and values. This was part of the occupiers' plan: to impose Western culture on the deeply religious and conservative society of Afghanistan. When these few hundred women demand their rights, what they are saying is that they should be free to uncover, go to the parlors to get their hair done or have their nails polished to display in public. These women are a tiny minority in Afghanistan.

The overwhelming majority of women are involved in the day-to-day struggle to survive, of finding the next meal or providing a piece of naan (bread) to their hungry children. Little or no concern has been expressed for the plight of the tens of thousands of Afghan widows or the hundreds of thousands of orphans, all victims of American savagery for two decades.

Bringing up this subject would draw attention to the crimes the US and its allies have committed in Afghanistan. The war criminals should be held accountable. There was no

justification for attacking and occupying Afghanistan and perpetrating horrific crimes against the Afghans.

After the Second World War, the victors – the allied powers – held the Nuremberg trials and had many Nazis executed. How many Afghan collaborators have been tried or executed by the Taliban? They offered a general amnesty to all and sundry. Is there any other example in recent history where such magnanimity has been demonstrated?

Under the Doha deal (February 29, 2020), the Taliban had agreed to not attack US forces during the withdrawal phase. They scrupulously upheld their end of the bargain until the very end. This cannot be said of the Americans.

When the last US military plane took off from Kabul airport on the night of August 30/31, it carried a large number of US troops including General Chris Donahue, the forces commander. Before departing, American troops destroyed a lot of military equipment as well as caused damage to the airport including the radar system. The Taliban were aware of American vandalism. They were present at the tarmac as the last US military plane, a C-17 took off. They could have easily shot down the plane but they did not do so.

Contrast this with American conduct. On August 29, a US drone fired a missile at a vehicle in Kabul, alleging that it was carrying ISIS-K terrorists that had carried out the Kabul airport bombing three days earlier. While young children were clearly visible in the vehicle as well as near it, the Americans still went ahead with the missile strike. It killed 10 people including seven children.

For two weeks, the Pentagon insisted the drone had killed a terrorist. Finally, they were forced to admit to killing civilians but still insisted it was a "mistake". Really? Did they not see the children around the vehicle that was targeted? Even if there were ISIS-K terrorists, that would still not justify the missile strike because of the presence of children. Would it justified to blow up a building full of people because terrorists were hiding in it?

A word about the terrorist attack at Kabul airport on August 26 is also in order. Media reports constantly referred to 13 US soldiers killed without giving the number for Afghan deaths. There were 30 Taliban fighters among the 170 Afghan civilians killed. The overwhelming majority were shot by American troops. The BBC admitted this in its report but it was tucked away deep into the body of the story. Don't Afghan lives matter?

The Taliban won the war against foreign occupiers through grit, determination and sacrifice. They harbor no ill-will toward their tormentors including their former jailers and torturers. Taliban prisoners (some 5,000 of them) held in the notorious Bagram prison outside Kabul, did not want to seek revenge. Nic Robertson of the CNN was surprised to learn from former prisoners that they did not hate the average Americans; nor did they want revenge!

Instead, the US and its client India are still financing and supporting the ISIS-K terrorists, who have carried out 2 major terrorist attacks in Afghanistan during this month alone, murdering hundreds of innocent Afghans.

So much for American values and its so-called civilization. The Taliban wish to have nothing to do with it – nor should they. And others should not exert pressure on them to conform to American or Western values. Let them establish a system that serves their people.

Courtesy: ***An article by Zafar Bangash; Published by the Institute of Contemporary Islamic Thought (ICIT)***

Vol: 30 Regd. No. C.P.L NO.114 No.39

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore